10

ہفت روزہ
ندائے خلافت
لاہور

www.tanzeem.org

17 تا 30 جمادی الثانی 1439ھ / 6 تا 12 مارچ 2018ء

اشاعتِ خصوصی ''استحکام پاکستان''

(بحوالہ یومِ پاکستان 23 مارچ)

اس شمارے میں

اداریہ	ایوب بیگ مرزا	3
نظام مصطفیٰ ﷺ کا نفاذ اور استحکام پاکستان	حافظ عاکف سعید	7
پاکستان کا مطلب کیا؟ (نظم)	اصغر سودائی	11
قرارداد مقاصد		12
علماء کے بائیس نکات		13
پاکستان ایک نظر میں		14
استحکام پاکستان	ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ	16
نواب بہادر یار جنگ کا ایمان افروز خطاب		21
پاکستان ہمارا ہے (نظم)	مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ	22
آج ملک میں تحریک پاکستان جیسی فضا کی ضرورت ہے	صاحبزادہ خورشید احمد گیلانی	23
پھر ان داستانوں کی ضرورت ہے	عامرہ احسان	25
قائداعظم کا پاکستان	فرید اللہ مروت	27
استحکام پاکستان کے تقاضے	محمد اسحٰق	30
جدت پسندی اور عدم استحکام	محمد رفیق چودھری	32

ہفت روزہ ندائے خلافت لاہور

تا خلافت کی بنا دُنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

تنظیم اسلامی کا ترجمان، نظامِ خلافت کا نقیب

بانی: اقتدار احمد مرحوم

17 تا 30 جمادی الثانی 1439ھ جلد 27
06 تا 12 مارچ 2018ء شمارہ 10

مدیر مسئول: حافظ عاکف سعید
مدیر: ایوب بیگ مرزا
ادارتی معاون: فریداللہ مروت

نگران طباعت: شیخ رحیم الدین
پبلشر: محمد سعید اسعد، طابع: رشید احمد چودھری
مطبع: مکتبہ جدید پریس، ریلوے روڈ لاہور

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی

"دارالاسلام"، ملتان روڈ چوہنگ لاہور۔ پوسٹل کوڈ 53800
فون: 79-35473375 (042)
E-Mail:markaz@tanzeem.org
مقام اشاعت: 36-کے، ماڈل ٹاؤن لاہور۔54700
فون: 03-35869501 فیکس: 35834000
publications@tanzeem.org

قیمت فی شمارہ 12 روپے

سالانہ زرِ تعاون
اندرونِ ملک 450 روپے
بیرونِ پاکستان
انڈیا ---------------- (2000 روپے)
یورپ، ایشیا، افریقہ وغیرہ (2500 روپے)
امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا وغیرہ (3000 روپے)
ڈرافٹ، منی آرڈر یا پے آرڈر "مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن" کے عنوان سے ارسال کریں۔ چیک قبول نہیں کیے جاتے
Email:maktaba@tanzeem.org

"ادارہ" کا مضمون نگار حضرات کی تمام آراء سے پورے طور پر متفق ہونا ضروری نہیں

اداریہ
ایوب بیگ مرزا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بانیٔ پاکستان کا مقدمہ

قائداعظم نے واضح الفاظ میں اپنی بیماری کے دوران اپنے ذاتی معالجین ڈاکٹر ریاض علی شاہ اور ڈاکٹر کرنل الٰہی بخش سے کہا گویا ان کی آخری خواہش تھی جس کا اظہار انہوں نے ان الفاظ کے ساتھ کیا "تم جانتے ہو جب مجھے احساس ہوتا ہے کہ پاکستان بن چکا ہے تو میری روح کو کس قدر اطمینان ہوتا ہے۔ یہ مشکل کام تھا اور میں اکیلا کبھی نہیں کر سکتا تھا۔ میرا ایمان ہے کہ رسول خدا ﷺ کا روحانی فیض ہے کہ پاکستان وجود میں آیا۔ اب پاکستانیوں کا فرض ہے کہ اسے خلافت راشدہ کا نمونہ بنائیں تاکہ خدا اپنا وعدہ پورا کرے اور مسلمانوں کو زمین کی بادشاہت دے۔" (ڈاکٹر ریاض علی شاہ روزنامہ جنگ 1988ء)

یہ تھی قائداعظم کی اصل خواہش جو زندگی کے آخری لمحات میں اُن کی زبان پر آ گئی۔ قائداعظم کے معالجین جن کا سیاست سے دور کا تعلق بھی نہ تھا یقیناً زیادہ قابل اعتبار ہیں۔ نسبتاً نظریہ ضرورت کے موجود جسٹس منیر اور اُن کے ہم خیال سیکولر عناصر سے جو قائداعظم کی گیارہ اگست والی تقریر کے چند مبینہ جملوں کو جا بجا دہراتے رہتے ہیں۔ یہ بات بھی ریکارڈ کا حصہ ہے کہ لفظ سیکولر زندگی بھر نہ قائداعظم کی زبان پر آیا نہ اُن کے قلم کی نوک سے برآمد ہوا۔ لیکن اُن کی اس خواہش کے علی الرغم ستر سال سے قائداعظم کے پاکستان میں کیا ہو رہا ہے، آیئے! ذرا اُس کا مختصر جائزہ لیتے ہیں۔

پاکستان کی ستر سالہ تاریخ کا صحیح فہم حاصل کرنے کے لیے تحریکِ پاکستان پر سرسری نگاہ ڈالنا ہو گی۔ قائداعظم محمد علی جناح پاکستان کے بانی اور معمار تھے جبکہ علامہ اقبال مصورِ پاکستان اور مبشر پاکستان کہلاتے ہیں۔ اُنہوں نے 1930ء میں الٰہ آباد میں مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ ہندوستان کے شمال مغرب میں ایک اسلامی ریاست کا قیام تقدیر کا اٹل فیصلہ ہے۔

علامہ کے تصور کو قائداعظم نے حقیقت کا رنگ دیا اور اُن کی بشارت کو درست ثابت کیا۔ قائداعظم کچھ عرصہ کے لیے کانگرس میں رہے جس سے اُنہیں ہندو ذہنیت کو سمجھنے کا موقع ملا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اُنہوں نے کانگرس کو خیر باد کہہ دیا اور مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کر لی۔ لیکن عام مسلمان کی سادہ لوحی اور لیڈروں کی کوتاہ بینی سے اُنہیں مایوسی ہوئی اور وہ واپس لندن چلے گئے۔ علامہ اقبال جب دوسری گول میز کانفرنس میں شرکت کے لیے لندن گئے تو انہوں نے موقع غنیمت جانتے ہوئے قائداعظم سے ملاقات کی اور اُنہیں قائل کیا کہ وہ ہندوستان آئیں اور انگریز سے نجات اور ہندو سے علیحدگی کے لیے مذہب کو تحریک کی بنیاد بنائیں۔ یہ تھا وہ ٹرننگ پوائنٹ جس سے بات پہلے ہندوستان میں مسلم ریاستوں اور بعد ازاں ایک مسلم ریاست یعنی پاکستان کی طرف بڑھی۔ مزید وضاحت کے لیے عرض ہے کہ 1940ء میں جب منٹو پارک لاہور میں قرارداد لاہور منظور ہوئی جسے ہندو پریس نے طنزاً قراردادِ پاکستان کا نام دے دیا لیکن بعض اوقات شر سے بھی خیر برآمد ہو جاتا ہے۔ مسلم لیگ نے بھی اسے بطور قراردادِ پاکستان

قبول کرلیا۔ حالانکہ 23 مارچ 1940ء کی اس قرارداد میں پاکستان کا نام تک نہیں تھا اُس میں تو Muslim States کی ڈیمانڈ تھی وہ تو خدا بھلا کرے بنگال کے مسلم لیگی لیڈروں کا جنہوں نے بعدازاں ایک قرار داد کے ذریعے States کا ''S'' کاٹ کر اسے State بنایا۔ اب مسلم لیگ کا نعرہ تھا : ''مسلم ہے تو مسلم لیگ میں آ'' اور ''لے کے رہیں گے پاکستان'' اور ''پاکستان کا مطلب کیا: لاالٰہ الا اللہ''۔

یہاں اس افسوسناک حقیقت کا اعتراف بھی کرنا ہوگا۔ جب پنڈت نہرو نے ایک پالیسی سٹیٹمنٹ دیا کہ آزادی کے بعد بھارت میں جاگیردارانہ نظام ختم کر دیا جائے گا۔ اس پر وہ تمام مسلمان جاگیردار جو کانگرس میں بڑے متحرک تھے اور قیام پاکستان کی مخالفت کر رہے تھے۔ اُنہوں نے اُڑان بھری اور مسلم لیگ میں شامل ہوگئے۔ پاکستان کی تاریخ کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوگا کہ ان جاگیرداروں اور وڈیروں نے پاکستان کو کتنا شدید نقصان پہنچایا۔ قیام پاکستان کے بعد وہ کم ازکم ڈیڑھ سال یعنی 1949ء تک آئین ساز اسمبلی کے راستے میں رکاوٹ بنے رہے کہ کہیں ایسا دستور نہ بن جائے جو پاکستان میں اسلامی نظام کے قیام کی بنیاد بن جائے یہاں تک کہ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے ان ارکان اسمبلی کو دھمکی دی کہ اگر اسلامی نظام کے نفاذ کی طرف کوئی پیش قدمی نہ کی گئی تو میں عوام میں جاؤں گا اور اُنہیں بتاؤں گا کہ مسلم لیگ نے تحریک پاکستان کے دوران برصغیر کے مسلمانوں سے دھوکہ کیا تھا اور وہ پاکستان میں اسلامی نظام لانے کے حوالے سے مخلص نہیں، تب کہیں اسمبلی نے 12 مارچ 1949ء قرارداد مقاصد منظور کی تھی۔ اس نئی مملکت کے مسلمان شہریوں کی اکثریت غریب اور ان پڑھ تھی۔ یہ صورت حال ان جاگیرداروں کے لیے آئیڈیل تھی انہوں نے آغاز ہی سے محلاتی سازشوں کا سلسلہ شروع کر دیا تھا۔ قرارداد مقاصد کو عملی شکل دینے میں روڑے اٹکانے لگے۔ یہ مفاد پرست اور اقتدار کے حریص نام نہاد سیاست دان لیاقت علی خان کی شہادت کے بعد کھل کر سامنے آگئے اور اُنہوں نے پاکستان کی نئی نویلی افسر شاہی سے مل کر جو خود کو انگریز کی جانشین سمجھنے لگی تھی اقتدار پر مکمل قبضہ کرلیا۔ بعض تجزیہ نگاروں کے مطابق لیاقت علی خاں کو شہید ہی اس لیے کیا گیا کیونکہ اُنہوں نے ان وڈیروں اور جاگیرداروں کو نظر انداز کر کے ہر صورت قرارداد مقاصد کو عملاً نافذ کرنے کا ارادہ کرلیا تھا اور اُس کے لیے عملی اقدام اٹھانا چاہتے تھے۔

ایک سوچی سمجھی سکیم کے تحت خواجہ ناظم الدین جو گورنر جنرل تھے، اُنہیں وزیراعظم بنا دیا گیا اور ایک آئی سی ایس آفیسر ملک غلام محمد پاکستان کا گورنر جنرل بن بیٹھا۔ یہاں سے پاکستانیوں کی بدقسمتی کا آغاز ہوا۔ حکمرانوں کا عوام سے رشتہ منقطع ہوگیا۔ پرمٹوں کی سیاست ہونے لگی اور اقربا پروری عروج پر پہنچ گئی۔ نو سال تک آئین نہ بن سکا اور نہ ہی ملکی سطح پر انتخابات ہو سکے۔ عوام حکومتی نمائندے منتخب کرنے سے محروم ہو گئے۔ حکمران عوامی مسائل سے لاتعلق ہو کر سیاسی جوڑ توڑ میں مصروف ہو گئے۔ 1951ء سے 1958ء تک یعنی پہلے مارشل لاء کے نفاذ تک پاکستان میں چھ حکومتیں تبدیل ہوئیں۔ کوئی حکومت مخلوط یا جداگانہ انتخابات کے مسئلہ پر ٹوٹتی اور کوئی ون یونٹ کے مسئلہ پر گر جاتی۔ جس پر ہمیں پنڈت نہرو کا یہ طعنہ سننا پڑا کہ میں اتنے کپڑے نہیں بدلتا جتنی پاکستان میں حکومتیں بدلتی ہیں۔ یہ معجزہ بھی پاکستان کی جمہوریت میں رونما ہوا کہ رات کے اندھیرے میں ایک نئی سیاسی پارٹی ری پبلکن پارٹی کے نام سے وجود میں آئی اور صبح ایوان میں مسلم لیگ کے نمائندوں کی اکثریت اس نئی پارٹی میں شامل ہوگئی۔ بہر حال خدا خدا کر کے 1956ء میں وزیراعظم چودھری محمد علی نے پاکستان کو نیا آئین دیا۔ تاج برطانیہ سے ریاست پاکستان کا آخری لنک بھی ختم ہوگیا۔ نئے آئین کے تحت گورنر جنرل کا عہدہ صدر کے عہدہ میں تبدیل ہوگیا اور سکندر مرزا پاکستان کے پہلے صدر بنے۔ 23 مارچ کو چونکہ نیا آئین نافذ ہوا تھا لہٰذا اسے ''یوم جمہوریہ'' قرار دیا۔ ملک بھر میں جشن منایا گیا۔ سرکاری طور پر عام تعطیل کا اعلان ہوا۔

1956ء کا آئین اچھا آئین تھا اس کے تحت اسلامی نظام کی طرف بڑھا جاسکتا تھا لیکن اسلام کے نفاذ سے جن جاگیرداروں اور وڈیروں کے مفاد پر زد پڑتی تھی، اُن کی نام نہاد جمہوریت کی ایک اور کرشمہ سازی ملاحظہ فرمائیں وہ یہ کہ سیاسی حکومت نے آرمی چیف ایوب خان کو وزیر دفاع بنا کر اپنی حکومت کا حصہ بنا لیا۔ اکتوبر 1958ء میں اسی آرمی چیف نے سیاسی حکومت کا تختہ الٹ دیا۔ ملک بھر میں مارشل لاء نافذ کر دیا گیا اور اس آئینِ نو کو ایک وردی پوش نے بھاری بوٹوں تلے روند ڈالا۔ پاکستان کو ایک مستحکم نظام دینے کی کوشش کو ایک اور دھچکا لگا۔ اقتدار پر مسلط طبقے نے ایک اور شعبدہ دکھایا جب 1959ء میں 23 مارچ قریب آیا تو یہ لوگ سر پکڑ کر بیٹھ گئے۔ اِس لیے کہ جمہوریت کو زندہ دفن کر کے ''یوم جمہوریہ'' کیسے منائیں جبکہ عوام تین سال سے اس دن تعطیل اور جشن منانے کے عادی ہو چکے تھے۔ یہاں بھی اتفاق سے عیار افسر شاہی کام آئی۔ چونکہ 1940ء کی قراردادِ پاکستان بھی 23 مارچ

کومنظور ہوئی تھی لہٰذا ''یوم جمہوریہ'' کو ''یوم پاکستان'' کا نام دے کر اس سلسلہ کو جاری رکھا۔ عوام بیچاری کچھ نہ سمجھ سکی۔ سمجھ بھی جاتی تو کیا کر لیتی۔ اُسے تو ایک سکیم کے تحت پیٹ کی آگ بجھانے پر لگا دیا گیا تھا۔ نفاذ اسلام اب ثانوی حیثیت اختیار کر چکا تھا۔ ایوب خان کے بعد پھر عوامی دور شروع ہوا۔ ذوالفقار علی بھٹو ''اٹھو میری دنیا کے غریبوں کو جگا دو'' کا نعرہ لگا کر میدان میں آئے اپنے محسن اور منہ بولے ''ڈیڈی'' کے خلاف ایسی تحریک چلائی کہ ایوان صدر میں اپنوں نے اُس کے خلاف نعرے بازی کی۔ لیکن بدقسمتی سے مشرقی پاکستان میں اس تحریک نے کچھ اور رخ اختیار کر لیا۔ بھارت نے دراندازی کی اور ملک دشمن عناصر کے ساتھ مل کر تخریب کاری شروع کر دی۔ بالآخر یحییٰ خان کی اقتدار سے چمٹے رہنے کی خواہش اور بھٹو کی اکثریت حاصل نہ کرنے کے باوجود اقتدار پر جھپٹنے کی اندھی حرص اور شیخ مجیب الرحمٰن کی غداری سے دنیا کی سب سے بڑی اسلامی مملکت جسے مملکت خداداد کہا جاتا تھا' دولخت ہو گئی۔ حقیقت یہ ہے کہ اس شکست وریخت کی اصل وجہ یہ تھی کہ اسلام جو حقیقت میں جغرافیائی بُعد کے باوجود مشرقی اور مغربی پاکستان کے درمیان سیمنٹ کی حیثیت رکھتا تھا، اُسے نکال دیا گیا۔ اِس کا نتیجہ سامنے آ گیا اور مشرقی پاکستان بنگلہ دیش بن گیا۔ اب مغربی پاکستان کو What remains of Pakistan کہا جانے لگا۔

بھٹو نے انتخابی مہم کے دوران ''روٹی، کپڑا، مکان'' کا نعرہ لگایا تھا۔ یہ بڑا خوشنما نعرہ تھا، غریب عوام نے بھرپور ساتھ دیا۔ لیکن عوام کے ساتھ پھر وہی کچھ ہوا۔ روٹی کی جگہ گولی ملی، کپڑے کی بجائے کفن پہناوا بنا اور مکان کی بجائے قبر مسکن ٹھہری۔ کسی منصوبہ بندی کے بغیر صنعتیں اور تجارتی ادارے قومیا لیے گئے اور اُنہیں بددیانت اور انتہائی بدعنوان افسر شاہی کے حوالے کر دیا گیا جس سے ایوب خان کے دور میں ہونے والی صنعتی ترقی زوال کا شکار ہو گئی۔ روز افزوں مہنگائی نے عوام کی کمر توڑ دی۔ یقیناً ذوالفقار علی بھٹو نے چند اچھے کام بھی کیے۔ چین سے اچھے تعلقات کی داغ بیل ڈالی، عالمی سطح پر تیسری دنیا کا تصور اجاگر کیا' اسلامی سربراہی کانفرنس کا لاہور میں انعقاد کیا اور اہم ترین یہ کہ ایٹمی صلاحیت کے حصول کا آغاز کیا۔ جس سے امریکہ اور یہودی لابی اُس کی جان کی دشمن بن گئی اور عبرت ناک انجام کی دھمکی دی لیکن بھٹو نے ایٹمی صلاحیت کے حصول کے لیے کسی دھمکی کی کوئی پرواہ نہ کی۔ بھٹو عوامی فلاح کے حوالے سے اگرچہ اپنے وعدے ایفا نہ کر سکے۔ پھر بھی وہ ضرورت سے زیادہ خود اعتمادی کے شکار تھے۔ اُنہوں نے اپوزیشن کو انتشار کا شکار دیکھ کر قبل از وقت انتخابات کا ڈول ڈال دیا۔ لیکن منتشر اپوزیشن جس طرح پاکستان قومی اتحاد کے جھنڈے تلے متحد ہوئی' اُس نے سب کو حیرت میں ڈال دیا۔ انتخابات ہوئے' لیکن دھاندلی کی زوردار آواز اٹھی اور بھٹو کے خلاف PNA نے عوامی تحریک کا آغاز کر دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ دھاندلی کے خلاف یہ تحریک جلد ہی ٹھنڈی پڑنے لگی' جس پر اِسے نظام مصطفےٰ کا انجکشن لگا دیا گیا حالانکہ اس میں بیگم نسیم ولی خان اور ائر مارشل اصغر خان جیسے سیکولر لوگ شامل تھے۔ یہ کسی طور نفاذ اسلام کی تحریک نہیں تھی' بلکہ اینٹی بھٹو تحریک تھی اور اس حقیقت کا اعتراف کیے بغیر چارہ نہیں کہ اسلامی جماعتوں کا ہدف بھی اسلام نہیں' اسلام آباد تھا۔ گویا ایک بار پھر اسلام کو ذاتی اور گروہی مفاد کے لیے استعمال کیا گیا اُس وقت کے آرمی چیف نے صورت حال سے فائدہ اٹھایا اور جب فریقین کے مابین مذاکرات کامیاب ہونے کو تھے' کہ مارشل لاء لگا دیا گیا۔ گویا مردِ حق ناحق طریقے سے اقتدار پر قابض ہو گئے۔ اُنہوں نے نوے روز میں انتخابات کرانے کا وعدہ کیا لیکن عوام کے تیور دیکھ کر اپنے وعدے سے منحرف ہو گئے۔ اسی دوران سوویت یونین افغانستان میں داخل ہو گیا' کبڑے کو لات رسید ہو گئی۔ ضیاء الحق مردِ حق تو کہلائے' لیکن حق گوئی سے کوسوں دور رہے۔ گیارہ سال تک اسلامی حوالے دے دے کر انتخابات ملتوی کرتے رہے۔ بالآخر ایک فضائی حادثے کا شکار ہو گئے۔ شنید یہ ہے کہ یہ اُن ہی کی کارروائی تھی جو اقتدار میں لائے تھے۔ عالمی استعمار نے اُن سے استعمال شدہ ٹشو پیپر والا سلوک کیا۔

جمہوریت پھر بحال ہوئی گویا وطن عزیز میں ایک حادثہ مارشل لاء لاتا اور دوسرا جمہوریت کو واپس لے آتا۔ نئی جمہوریت کیا تھی؟ بے نظیر اور نواز شریف کے درمیان میوزیکل چیئرز کا کھیل تھا۔ کبھی ایک اسٹیبلشمنٹ کی مدد سے دوسرے کو گراتا تھا اور کبھی دوسرا وہی کام کرتا تھا۔ ان دونوں رہنماؤں نے اہل پاکستان کی قسمت سے بُری طرح کھیلا۔ کرپشن اور بددیانتی کے نئے ریکارڈ قائم کیے۔ غیر ملکی قرضوں کا ایسا بوجھ ڈال دیا کہ ملکی معیشت کا سانس رک رہا ہے۔ اس کرپشن کی قیمت اور ان قرضوں کو بھی عوام ہی چکائے گی بلاواسطہ اور بالواسطہ (Direct & indirect) ٹیکس ادا کر کے۔ اللہ بیچارے عوام پر رحم فرمائے۔

بیسویں صدی کے آغاز ہی میں پیٹا گون کو ''الہام'' ہو گیا تھا کہ اُس کے ملک میں کوئی بڑا سانحہ ہونے والا ہے اور امریکہ کو افغانستان جانا پڑے گا۔

لہٰذا حفظ ماتقدم کے طور پر پاکستان میں جمہوریت کا بوریا بستر لپیٹ کر جنرل مشرف کو لایا گیا تاکہ ایک ہی فون کال کام دکھا دے۔ جمہوریت رہتی تو پارلیمنٹ یا دوسرے سیاسی رہنماؤں کو راضی کرنے کا کھکھیڑ مول لینا پڑے گا۔ امریکہ سوویت یونین کے خلاف جو دنیا بھر سے مجاہدین اکٹھے کر کے افغانستان اور پاکستان میں لایا تھا اور اُنہیں جہاد کا ''مقدس فریضہ'' سونپا تھا، اب وہ مقدس جہادی دہشت گرد قرار پائے۔ مشرف اور امریکہ ایک دوسرے سے خوب کھیل کھیلتے رہے۔ امریکہ بےنظیر اور نواز شریف کے نام سے مشرف کو ڈرا کر پاکستان کے اندر دھنستا چلا گیا اور مشرف امریکہ کو جہادیوں سے ڈرا کر اپنے اقتدار کے استحکام کے حوالے سے امریکہ کی پشت پناہی حاصل کرتا رہا۔ مشرف بھی اپنا رول ادا کر چکا تھا۔ شطرنج کے عالمی کھلاڑیوں کو اب اُس کی ضرورت نہ رہی تھی لہٰذا آصف زرداری کے ہاتھوں اُسے ایسے نکال دیا گیا جیسے مکھن سے بال کو نکالتے ہیں۔ آصف زرداری سسر اور بیوی کے نام پر اقتدار کی بھیک مانگنے لگے۔ اس قوم کو بھی بار بار ڈسے جانے کی عادت ہے۔ لہٰذا 5 سال تک عذابِ زرداری سہتے رہے۔ قوم نے تیسری بار شریف فیملی کو نوازا، بیچارے عوام کیا کریں ادھر سے دھکا کھاتے ہیں تو اُدھر جا گرتے ہیں اور اُدھر سے دھکا کھا کر پھر اُسی تنخواہ پر کام کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ اب کہ نواز شریف نے عوام کو نئی بات بتائی مجھے تو تم نے وزیراعظم بھارت سے دوستی کے لیے بنایا ہے اور تو اور وہ مسلمانوں کے قاتل مودی کے صدقے واری جانے لگے۔ بھارتی جاسوس کلبھوشن یادیو کا نام لینے سے شرماتے رہے۔ پھر پاناما آسمان سے بجلی بن کر گرا اور اُن کی وزارت عظمیٰ کو بھسم کر کے رکھ دیا اور اب وہ مجنوں کی طرح لیلائے اقتدار کے غم میں ''مجھے کیوں نکالا'' کا راگ الاپتے ہوئے گلی گلی اور کوچہ کوچہ پھرتے نظر آتے ہیں۔ اور عدلیہ کے بارے میں وہ جو کچھ کہہ رہے ہیں کہ کبھی کسی نے کنگرو کورٹس کے بارے میں بھی نہ کہا ہوگا۔ وہ اپنی نااہلی کا فیصلہ نہیں مانتے۔ عمران خان حدیبیہ پیپر ملز کے فیصلے پر راضی دکھائی نہیں دیتے۔ لوگ صحیح فیصلہ جاننے کے لیے عدالت عظمیٰ کے بعد کس کے پاس جائیں؟

ہماری عدالت عظمیٰ اس وقت جس طرح ایک شخص کے سامنے بیچارگی کا مظاہرہ کر رہی ہے تو اُس کی وجہ یہ ہے کہ وہ خود نظریہ ضرورت میں مقید رہ کر کمزور ہو گئی۔ کاش! وہ اس طرح کے فیصلے نہ دیتی کہ آرٹیکل نمبر 2 الف (قرارداد مقاصد) بھی دوسرے آرٹیکلز کے مساوی ہے۔ اُسے دوسرے آرٹیکلز پر حاوی نہیں کیا جا سکتا۔ ملک بدستور ہر سطح پر عدم استحکام کا شکار ہے اور ستر سال بعد بھی عوام کا معاملہ یہ ہے کہ اُن کے لیے تھانہ، خوف اور دہشت کی جگہ ہے۔ ہسپتالوں میں مردہ اور مریض ایک ہی بستر پر پڑے ہیں۔ عورتیں رکشاؤں میں ہسپتالوں کے باہر بچوں کو جنم دے رہی ہیں۔ جبکہ حکمران بیماری کا خطرہ لاحق ہوتے ہی ایئر ایمبولینس میں یورپ پہنچ جاتے ہیں۔

سرکاری افسر کی دیانت اور شفافیت کا عالم یہ ہے کہ تمام حکومتی دعوؤں اور عدالتی احکامات کے باوجود دودھ اور پانی کے ملاپ کو ابدیت حاصل ہو گئی ہے۔ دوا کی قیمت اور ڈاکٹر کی فیس نے محکمہ بہبود آبادی کا کام آسان کر دیا ہے لہٰذا قبرستانوں کا دامن تنگ پڑ رہا ہے۔

بہرحال ریاست اور عوام سے حکمرانوں کے اس ظلم وستم کے باوجود ہمیں یقین اور بھرپور یقین ہے کہ پاکستان قائم رہنے کے لیے بنا تھا اور ہمارا یہ عزیز وطن تاقیامت قائم رہے گا۔ یہ کسی مجذوب کی بڑ نہیں اس کی پشت پر تاریخ ہے۔ اس کا قیام معجزہ ہے کہ ایٹلی جیسا اسلام دشمن برصغیر کی تقسیم کے وقت برطانیہ کا وزیراعظم تھا۔ ہندو اکثریت کا رہنما مہاتما گاندھی کہہ رہا تھا پاکستان میری لاش پر بنے گا۔ پنڈت نہرو کے لارڈ ماؤنٹ بیٹن کی فیملی کے ساتھ خصوصی تعلقات تھے۔ ریڈکلف ایوارڈ میں بددیانتی کی گئی۔ مسلمان اقلیت میں تھا، غریب اور بے وسائل تھا۔ لیکن پاکستان بن گیا۔ بھارت نے مہاجروں کے سیلاب کا پاکستان کی طرف رخ کر دیا۔ پاکستان کو اُس کے حصے کے اثاثے نہ دیئے۔ ہمارے پاس کاغذوں کو جوڑنے کے لیے پن نہ تھی۔ ہم نے دفاتر میں کانٹے لگا کر کاغذ جوڑے۔ لیکن ملک جب کسی قدر سنبھلا تو سیاست دانوں اور وردی والوں نے دن رات اس ملک کو لوٹنا شروع کر دیا۔ جس سے قائداعظم کا پاکستان تو ٹوٹ گیا پھر بھی ختم نہ ہوا۔ لیکن یہ بات فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ فرد ہو یا قوم اللہ مواقع فراہم کرتا ہے، ڈھیل بھی دیتا ہے۔ مختلف تکالیف اور دشواریوں میں مبتلا کر کے صراطِ مستقیم کی طرف متوجہ بھی کرتا ہے جیسا کہ 1971ء میں ہماری پیٹھ پر کوڑا برسایا گیا۔

ابھی وقت ہے کہ ہم اسلام کے نظام عدل اجتماعی کو اپنا لیں تو پاکستان کو استحکام نصیب ہو جائے گا، بُرا وقت اختتام کو پہنچے گا۔ اور نئی صبح روشن ہو جائے گی۔ یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ پاکستان اور اسلام لازم وملزوم ہیں۔ اسلام پاکستان کے استحکام کا ہی نہیں بقا اور سلامتی کا بھی ضامن ہے۔ آیئے! وطن عزیز میں اسلام کا نظام عدل اجتماعی قائم کریں۔ اس سے ہم قائداعظم کی آخری خواہش کو عملی تعبیر دے کر آخرت میں سرخرو ہو جائیں گے اور دنیوی لحاظ سے بھی یہ وطن سرسبز ہوگا۔ ان شاء اللہ اور وہ وقت بھی لوٹ آئے گا کہ صاحبِ نصاب زکوٰۃ لینے والے کو گلی گلی اور کوچہ کوچہ تلاش کرتا ہوگا۔ بصورت دیگر وہ وقت دور نہیں جب قائد مدعی اور قوم مدعا علیہ ہوگی۔

نظام مصطفیٰ ﷺ کا نفاذ اور استحکام پاکستان

امیر تنظیم اسلامی حافظ عاکف سعید

18 ستمبر 2017ء کو ملی یکجہتی کونسل کی قائدین کا ایک اجلاس ٹو پاز ہال، جوہر ٹاؤن، لاہور میں منعقد ہوا۔ اس موقع پر امیر تنظیم اسلامی محترم حافظ عاکف سعید نے جو خصوصی مقالہ پیش کیا، اسے ذیل میں شائع کیا جا رہا ہے، اس لیے کہ نفاذِ اسلام کے بغیر پاکستان کے استحکام کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

﴿اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ قف﴾ (آل عمران:19)

﴿وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْهُ ج﴾ (آل عمران:85)

﴿اَفَحُکْمَ الْجَاهِلِیَّةِ یَبْغُوْنَ ط وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُکْمًا لِّقَوْمٍ یُّوْقِنُوْنَ ﴿۵۰﴾﴾ (المائدۃ)

﴿وَمَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْکٰفِرُوْنَ ﴿۴۴﴾﴾ (المائدۃ)

﴿وَمَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۴۵﴾﴾ (المائدۃ)

﴿وَمَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۴۷﴾﴾ (المائدۃ)

میں ملی یکجہتی کونسل کے صدر، محترم صاحبزادہ ابوالخیر زبیر صاحب اور سیکرٹری جنرل لیاقت بلوچ کا شکرگزار ہوں کہ انہوں نے مجھے اس نہایت اہم ملی و قومی سطح کے پلیٹ فارم پر تفصیلی اظہارِ خیال کا خصوصی موقع عطا فرمایا۔

اس کا پس منظر یہ ہے کہ گزشتہ سربراہی اجلاس کے موقع پر جو متفقہ اعلامیہ تیار کیا گیا تھا اس کے باضابطہ اعلان سے قبل محترم لیاقت بلوچ صاحب نے کمال شفقت سے وہ اعلامیہ مجھے بھی دکھایا تاکہ میں اگر اس میں کوئی قطع و برید کرنا چاہوں یا حک و اضافہ کرنا چاہوں تو تجویز کر دوں۔ اس اعلامیے میں حسب معمول ملکی و قومی سطح کے بہت سے Issues کے حوالے سے حکومت وقت کے نامناسب طرزِ عمل اور دین دشمن اقدامات کے حوالے سے شدید ترین الفاظ میں مذمت کی گئی تھی —— میں نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے یہ comment لکھ کر محترم لیاقت بلوچ صاحب کو واپس تھما دیا کہ آخر کب تک صرف مذمت ہی پر اکتفا کرتے رہیں گے، کوئی ٹھوس لائحہ عمل سوچنا چاہیے۔

اس پر پنجابی کے محاورے ''جیہڑا بولے اوہی کنڈا کھولے'' کے مصداق جناب لیاقت بلوچ صاحب نے جواباً یہ کام میرے ذمے ڈال دیا اور فرمایا کہ ٹھوس لائحہ عمل آپ تجویز کریں لیکن ساتھ ہی اعلان فرما دیا کہ ملی یکجہتی کونسل کی سپریم کونسل کا آئندہ اجلاس لاہور میں ہوگا، اس کی میزبانی تنظیم اسلامی کرے گی اور اس میں امیر تنظیم اسلامی، پاکستان کے موجودہ مسائل کے حوالے سے ٹھوس لائحہ عمل تفصیل سے بیان کریں گے۔ چنانچہ آج کے اجلاس کی میزبانی کا شرف تنظیم کو حاصل ہوا ہے اور طے شدہ فیصلے کے مطابق مجھے دینی جماعتوں کے اس قابل احترام فورم کے سامنے وہ راستہ یا لائحہ عمل تجویز کرنا ہے جس پر عمل پیرا ہو کر ہم مملکت پاکستان کو حقیقی معنوں میں ایک اسلامی فلاحی ریاست کے قالب میں ڈھال سکیں۔ حضراتِ محترم! میرے نزدیک یہ Issue ہماری قومی زندگی کے اہم ترین Issue کی حیثیت رکھتا ہے۔ قرآن و سنت کے ایک طالب علم کی حیثیت سے میرا احساس یہ ہے کہ ہم مسلمانانِ پاکستان کے لیے دنیا اور آخرت دونوں کی کامیابی کے حوالے سے یہ Issue ایک فیصلہ کن اہمیت کا حامل ہے۔

موضوع پر براہ راست گفتگو سے قبل چند تمہیدی باتیں عرض کرنے کی اجازت چاہوں گا۔

پہلی بات یہ ہے کہ پوری امت مسلمہ اور بالخصوص ملت اسلامیہ پاکستان کے حوالے سے علامہ اقبال کا یہ فرمان صد فی صد درست ہے کہ ؎

اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قوم رسولِ ہاشمیؐ
ان کی جمعیت کا ہے ملک و نسب پر انحصار
قوت مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تری

حضراتِ محترم! یہ ایک امر واقعہ ہے کہ یہ ملک اسلام کے نام پر بنا ہے اور معجزانہ طور پر ہمیں عطا ہوا ہے۔ اس کا قیام ماہ رمضان کی 27ویں شب میں عمل میں آیا۔ لہٰذا پاکستان کا استحکام ہی نہیں اس کی بقا کا انحصار بھی حقیقی اسلامی نظام کے قیام پر ہے۔ آدھا ملک ہم گنوا چکے ہیں اور بقیہ آدھا بحرانوں اور گوناگوں مسائل کی آماجگاہ بنا رہتا ہے۔ لیکن افسوس کہ ہم نے اس سے کوئی سبق نہیں سیکھا۔ ؎

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

دوسری تمہیدی بات، یہ درست ہے کہ یہاں کے عوام میں 96% افراد مسلمان ہیں۔ غیر مسلم اقلیت یہاں اتنی قلیل ہے کہ وہ اسلام کے راستے میں رکاوٹ ڈالنے کا سوچ بھی نہیں سکتی۔ لیکن یہ بھی ایک تلخ حقیقت بلکہ المیہ ہے کہ ریاستی نظام کی سطح پر اسلام کی عملداری صفر ہے۔ پورا ریاستی نظام انگریز کے چھوڑے ہوئے نظام پر آج بھی استوار ہے۔ کہنے کو حدود آرڈیننس اس ملک میں نافذ ہوا، لیکن چونکہ پورا عدالتی نظام آج بھی انگریز کے بنائے ہوئے اصولوں پر چل رہا ہے جو اس نے بطور حاکم ہمارے اوپر مسلط کیا تھا، چنانچہ یہ قطعی غیر موثر ثابت ہوا۔ چنانچہ تاریخ کا سب سے بڑا مذاق ہے کہ کہنے کو حدود آرڈیننس اس ملک میں نافذ ہوئے ایک تہائی صدی سے زائد عرصہ گزر چکا ہے لیکن آج تک کسی چور کا ہاتھ کاٹا گیا نہ کسی زانی پر حد جاری کی گئی —— گویا 20 کروڑ مسلمانوں کے ملک میں آج تک نہ کوئی چوری کی واردات ہوئی اور نہ زنا کا کوئی واقعہ پیش آیا۔

ناطقہ سربگریباں ہے اسے کیا کہیے! دین کے ساتھ اس سے بڑا مذاق اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح قیام پاکستان کو 70 سال سے زائد ہو چکے ہیں لیکن آج بھی پوری ملکی معیشت سود پر استوار ہے جس کی مذمت میں قرآن و حدیث میں سخت ترین وعید آئی ہے۔ اس حوالے سے یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ ہم قیام پاکستان سے آج تک اللہ اور رسول ﷺ کے خلاف حالت جنگ میں ہیں۔ مجھے بتائیے کہ ان حالات میں اللہ کی نصرت اور رحمت ہمارے شامل حال کیونکر ہو سکتی ہے؟ ہاں اللہ کے غیض و غضب کو ہم ہر آن دھڑلے سے دعوت دیتے ہیں اور ہمارے احساسات پر جوں تک نہیں رینگتی۔ الا ماشاء اللہ

اسی طرح معاشرتی سطح پر جائزہ لیا جائے تو

بے لگام الیکٹرانک میڈیا کے ذریعے پورے ملک میں عریانی اور فحاشی یعنی ابلیسی تہذیب کا ایک سیلاب نظر آتا ہے۔ یہ الیکٹرانک میڈیا آج ہمارے حواس پر آسیب کی طرح سوار ہے۔ ملکی و سرکاری سطح پر اس شیطانی ایجنڈے کی بھرپور سرپرستی کی جا رہی ہے اور اسلامی معاشرتی تعلیمات اور دینی اقدار کی عمداً دھجیاں بکھیری جاتی ہیں--- مختصراً یہ کہ آج بحیثیت قوم' ہمارا پورا اجتماعی نظام' اللہ اور رسول ﷺ سے کھلی بغاوت کی غمازی کر رہا ہے۔ ہماری اس روش کا نتیجہ یہ ہے کہ ہم نہ صرف یہ کہ اللہ کی رحمت اور نصرت سے محروم ہیں بلکہ پوری دنیا میں ذلت و خواری ہمارا مقدر بنی ہوئی ہے۔ انٹرنیشنل ایئرپورٹس پر ہمارے ''گرین پاسپورٹ'' کی جو ''عزت افزائی'' ہوتی ہے وہ انتہائی رسوا کن بھی ہے' عبرتناک بھی۔ چنانچہ امر واقعہ ہے کہ آج ہم عملاً آیت قرآنی ﴿ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ ۚ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ۭ﴾ (البقرہ: ٦١) کا مصداق بنے ہوئے ہیں۔ اسی ذلت و مسکنت کا ایک مظہر یہ بھی ہے کہ مسلسل قرض کی مے پینے کے نتیجے میں آج ہم معاشی طور پر ورلڈ بینک اور آئی ایم ایف کی بدترین غلامی میں جکڑے ہوئے ہیں۔ ہمیں یہ بھی نہیں بھولنا چاہیے کہ ہمارے اس مجرمانہ طرزِ عمل کے نتیجے میں عذاب کا ایک عبرتناک کوڑا سقوطِ مشرقی پاکستان کی صورت میں ہماری پیٹھ پر برس چکا ہے۔ اپنے ازلی دشمن کے مقابلے میں ذلت آمیز شکست کا داغ ہمیں دیکھنا پڑا۔ لیکن افسوس کہ ہم نے اس سے کوئی سبق نہیں سیکھا۔ اسی طرح زلزلوں اور سیلابوں کے عذاب کے ذریعے بھی اللہ نے ہمیں جگانے کا سامان کیا۔ بلکہ عذاب کی ایک اور شکل کا ذکر بھی قرآن مجید میں آیا ہے: ﴿اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّيُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ ۭ﴾ (الانعام: ٦٥) دوطرفہ targit killing مذہبی بنیادوں پر' لسانی بنیادوں پر اور سیاسی بنیادوں پر۔ لیکن ہم نے اللہ کے عطا کردہ اس ملک میں اللہ کے دین کو قائم اور غالب کر کے اللہ کو راضی کرنے کی کوئی سنجیدہ کوشش نہیں کی —— ہم نے اسی پر اکتفا نہیں کی بلکہ عالم اسلام کا واحد سنی ملک افغانستان جس میں ملا عمرؒ کے دورِ اقتدار میں اللہ کا دین قائم اور محمد عربی ﷺ کی عطا کردہ شریعت نافذ تھی' اور اس دور میں جو بھی افغانستان جاتا تھا وہ یہ کہتا ہوا واپس آتا تھا کہ دورِ خلافت راشدہ کی یاد تازہ ہو گئی' اس کی خالص اسلامی حکومت کو ختم کرنے میں ہم نے اللہ کے بدترین دشمنوں کی صف میں کھڑے ہو کر ان کے فرنٹ لائن 'الائی' کا کردار ادا کیا —— آج وہی امریکہ جس کے شیطانی ایجنڈے کی تکمیل اور خوشنودی کی خاطر ہم نے اپنے ہزاروں فوجی جوانوں اور ہزارہا شہریوں کی جانوں کا نقصان گوارا کیا وہ آج ہمیں ننگے لفظوں میں عبرتناک انجام کی دھمکیاں دے رہا ہے۔ اور اس نے اپنی حمایت کا سارا وزن ہمارے ازلی دشمن بھارت کے پلڑے میں ڈال دیا ہے ——

حضرات محترم! آپ کہہ سکتے ہیں کہ یہ سب ہمارے حکمرانوں کا قصور ہے لیکن میں بصد ادب عرض کروں گا کہ جب حکمران طبقہ اپنی ذمہ داری ادا نہ کرتا ہو تو قوم کی اصلاح اور مثبت دینی رہنمائی کی ہی نہیں' دینی ذہن سازی کی ذمہ داری بھی رجالِ دین پر آتی ہے۔ از روئے قرآن مسلم معاشرے میں دینی طبقات کی اہم ترین ذمہ داری ''نہی عن المنکر'' کی ہے —— سورۃ المائدۃ میں یہود کے علماء کا جرم عظیم یہ بتایا گیا: ﴿كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ۭ﴾ مزید برآں اسی سورہ میں بات کو مزید کھولا گیا: ﴿لَوْلَا يَنْهٰىهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ۭ﴾ برا نہ مانیے گا۔ ہم دینی جماعتوں نے اپنی ان اہم ترین دینی ذمہ داریوں یعنی منکرات کے خلاف بھرپور جہاد باللسان کے تقاضے پورا کرنے اور عوام الناس کی اسلامی و ایمانی حوالوں سے مثبت ذہن سازی کرنے اور اس طرح ملک میں نظام مصطفیٰ ؐ کے نفاذ کے لیے انہیں آمادۂ عمل کرنے کی طرف کوئی توجہ نہیں دی۔ اس کے متبادل کے طور پر ہم نے انتخابات میں حصہ لینے اور اس طرح اقتدار میں آنے کی کوشش کو اپنا شعار بنا لیا کہ اس طور سے اقتدار میں آ کر ہم شریعت کے نفاذ اور دین کی بالادستی کا نظام قائم کریں گے —— اور ستم بالائے ستم یہ کہ انتخابات میں کامیابی کے حصول کے لیے سیکولر جماعتوں سے الحاق سے بھی دریغ نہیں کیا۔ جو قطعی طور پر ناقابل فہم ہے۔ ناطقہ سربگریباں ہے اسے کیا کہیے۔ اگرچہ ہم انتخابات کے ذریعے حکومتی ایوانوں میں پہنچ کر شریعت کے نفاذ کی کوشش کو فی نفسہٖ خلاف اسلام نہیں سمجھتے' لیکن 70 سال کے تجربے کے بعد بھی اور مسلسل ناکامی کے بعد بھی اسی ایک طریقے پر جازم رہنا میرے جیسے عامی انسان / کند ذہن شخص کے لیے قطعی طور پر ناقابل فہم ہے۔ بالخصوص ایم ایم اے کے تجربے کے بعد بھی اسی ایک راستے پر جازم رہنا قطعی طور پر میری سمجھ سے باہر ہے! میں اپنی گفتگو کے آخری اور اہم ترین حصے پر پہنچ گیا ہوں۔ متبادل راستہ کون سا ہے؟ چند منٹ مزید آپ کی سمع خراشی کے لیے پیشگی معذرت کا خواہاں ہوں۔

حضرات محترم! فی زمانہ ہمارے لیے ''الیکشن، ممبری، کرسی، صدارت'' والے راستے کی ناکامی کے بعد' علمی طور پر دو ممکنہ راستے موجود ہیں۔ ان میں سے ایک feasable نہیں ہے' اور کسی طور مناسب بھی نہیں ہے' جبکہ دوسرا قابل عمل بھی ہے اور محفوظ بھی۔ ان دو میں سے پہلا راستہ مقتدر طبقات کے خلاف مسلح بغاوت کا ہے۔ جو ہمارے نزدیک فی زمانہ بہت سے اعتبارات سے feasable اور مناسب نہیں ہے۔ دوسرا راستہ ایک بھرپور عوامی تحریک کا راستہ ہے جو فی زمانہ بہت موثر بھی ہے' معروف بھی ہے اور محفوظ بھی۔

دورِ حاضر میں ایران کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ شہنشاہیت کے خاتمے کے لیے وہاں کے باشعور عوام نے زبردست تحریک چلائی جو پرامن تھی لیکن بہت بھرپور تھی۔ ایران کے عوام اور راہنماؤں نے ایک عظیم مقصد کے لیے قربانیاں دیں تھیں' حکومت نے کچلنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ پولیس کو استعمال کیا' فوج کو استعمال کیا گیا۔ لیکن جب عوام اور ان کی قیادت نے استقامت کا مظاہرہ کیا تو بالآخر شہنشاہِ وقت کو ذلت کے ساتھ ملک بدر ہونا پڑا۔ کہ دو گز زمیں بھی مل نہ سکی کوئے یار میں۔ آج کے دور میں ایک بھرپور عوامی تحریک کے ذریعے انقلاب برپا کرنے کی کئی مثالیں موجود ہیں۔ دور کیوں جاتے ہیں' خود ہمارے وطن عزیز میں عوامی تحریک کے ذریعے بعض اہم دینی Issues کے حوالے سے کامیابی کے حصول کی کئی مثالیں موجود ہیں۔ چنانچہ جہاں یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ پاکستان میں الیکشن کے راستے سے جدوجہد کے نتیجے میں نظام مصطفیٰ اور شریعت محمدیؐ کے نفاذ میں آج تک ہمیں کوئی کامیابی نصیب نہیں ہوئی۔ یہاں تک کہ ایم ایم اے کا تجربہ بھی ملک میں نفاذ شریعت کے حوالے سے قطعی ناکام ثابت ہوا۔ کامیابی صرف اس قدر تھی کہ پاکستان کے دو صوبوں میں سیاسی اعتبار سے ہمیں اقتدار میں شراکت کا موقع ملا۔ شریعت کے بالفعل نفاذ اور موجودہ باطل نظام کی جڑ بنیاد سے تبدیلی کے حوالے سے ہم کوئی مؤثر کام کرنے سے یکسر قاصر رہے۔ اسی طرح یہ بھی ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ جب کبھی ہماری دینی جماعتوں نے کسی دینی Issue کے حوالے سے متحد ہو کر عوامی تحریک کا راستہ اختیار کیا' اللہ رب العزت نے ہمیشہ کامیابی عطا فرمائی۔ 1974ء کی اینٹی قادیانی موومنٹ اور ابھی محض 5 سال قبل ''تحفظ ناموس رسالت کی تحریک'' اس کی واضح مثالیں ہیں .... کیا گذشتہ 70 سال کا یہ تجربہ کافی

نہیں ہے کہ ہم اس کی روشنی میں اپنے لائحہ عمل کو از سر نو مرتب کریں۔

حاصل کلام یہ کہ غلبہ واقامت دین کی خاطر ایک بھرپور اور منظم عوامی تحریک جو پُر امن بھی ہو آج ہماری سب سے بڑی ضرورت ہے۔ جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں اس ملک میں جزوی طور پر مختلف Issues پر ہم نے عوامی تحریک کا راستہ اختیار کیا اور اللہ نے ہمیں کامیابی عطا فرمائی۔۔۔ لیکن افسوس اور رنج کا مقام یہ ہے کہ آج تک نظام مصطفیٰ ؐ کے حوالے سے کوئی حقیقی تحریک ہم نے اس ملک میں نہیں چلائی۔

یہاں اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ 1977ء کی نظام مصطفیٰ ؐ تحریک' حقیقی معنوں میں نظام مصطفیٰ ؐ تحریک نہیں تھی۔ یہ اصلاً اینٹی بھٹو تحریک تھی۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ 1977ء کے انتخابات جو بھٹو صاحب نے اپنی نگرانی میں کرائے تھے' اس کے نتائج کو Reject کرنے کے حوالے سے پاکستان کی تمام سیاسی جماعتیں بھٹو صاحب کے خلاف متحد ہوگئی تھیں۔ اس میں سب سے اہم اور فعال کردار اصغر خان کا تھا (جو اس وقت تحریک استقلال کے صدر تھے)۔ جو پاکستان میں سیکولر قوتوں کے سرخیل تھے۔ دوسرے لفظوں میں نظام مصطفیٰ ؐ کے بدترین مخالف۔ انہوں نے تمام سیاسی جماعتوں کو اکٹھا کیا اور PNA (پاکستان نیشنل الائنس) کے نام سے تمام سیاسی جماعتوں کا اتحاد تشکیل دیا۔ اور بھٹو صاحب کے خلاف تحریک چلانے کا اعلان کیا۔ ابتدا میں اس اتحاد کو نو ستاروں کی تحریک کہا گیا۔ اس لیے کہ اس میں پیپلز پارٹی کے سوا ملک کی تمام دیگر نو سیاسی جماعتیں شریک تھیں۔ تحریک کے ابتدائی مراحل میں ہی محسوس کر لیا گیا کہ تحریک کا Momentum نہیں بن پا رہا تو مصلحتاً اس کا نام نظام مصطفیٰ ؐ تحریک رکھ دیا گیا تاکہ لوگ قربانی دینے پر آمادہ ہوں اور اس اتحاد کے صدر کا مقام مولانا مفتی محمود کو دیا گیا۔۔۔ میں یہاں تاریخ کے ریکارڈ کو درست رکھنے کے حوالے سے یہ بات ضرور کہنا چاہوں گا کہ جب اس اینٹی بھٹو تحریک یعنی PNA کو نظام مصطفیٰ ؐ کا عنوان دینے کا اعلان ہوا تو والد محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحبؒ نے اسی وقت ساتھیوں کے سامنے اپنے ان تاثرات کا اظہار فرمایا کہ یہ دین کے نام پر دھوکا دیا جا رہا ہے۔ اُن کا موقف یہ تھا کہ یہ خالص اینٹی بھٹو تحریک ہے جس میں ملک کے بدترین سیکولر عناصر شامل ہیں۔ ان کا مقصد بھٹو کو اقتدار سے ہٹانا ہے۔ جس دن یہ مقصد حاصل ہوگیا یہ تحریک از خود ختم ہو جائے گی ۔۔۔ اس پر والد محترم کو شدید مخالفت یہاں تک کہ گالیوں تک کا سامنا کرنا پڑا۔ مسجد خضریٰ سمن آباد میں جمعہ کی خطابت (جو خالص اعزازی تھی) سے سبکدوش ہونا پڑا۔ لیکن انہیں جو کھلی آنکھوں سے نظر آ رہا تھا وہ اس پر قائم رہے۔۔۔۔ اور پھر تاریخ نے ثابت کر دیا کہ ان کی بات سو فیصد درست تھی۔ بہرکیف اس تجربے کا ایک مثبت پہلو یہ ہے کہ یہ ثابت ہوگیا کہ "نظام مصطفیٰ ﷺ" کے حوالے سے قوم سر دھڑ کی بازی لگانے کے لیے تیار ہے۔ اس عنوان میں بڑی زبردست کشش ہے۔ تحریک چلانے والے قائدین اگر محمد عربی ﷺ کے عطا کردہ نظام کے حقیقی وفادار ہوں تو عوام ان کا بھرپور ساتھ دیں گے اور کوئی قوت اس عوامی دباؤ کے سامنے ٹھہر نہیں سکے گی۔

حاصل کلام یہ ہے کہ حقیقی معنوں میں نظام مصطفیٰ ؐ کی تحریک اس ملک میں ایک بار بھی نہیں چلائی گئی' ہاں بعض دینی Issues پر دینی جماعتوں نے مل کر تحریکیں ضرور چلائی ہیں اور اللہ نے انہیں سرخرو بھی فرمایا۔ بلکہ ہماری دینی جماعتوں نے بعض مواقع پر بحالیٔ جمہوریت کی تحریک چلا کر اس میں بھی کامیابی حاصل کی ہے۔ سچی بات یہ ہے کہ میں یہ سمجھنے سے قطعی طور پر قاصر ہوں کہ ہم مل جل کر نظام مصطفیٰ ؐ کے قیام کے لئے تحریک چلانے سے کیونکر گریزاں ہیں؟ حالانکہ اللہ رب العزت اور محمد رسول اللہ ﷺ سے وفاداری کا یہ بنیادی اور لازمی تقاضا ہے۔ اب بھی ہمارے لئے موقع ہے کہ اللہ رب العزت اور نبی اکرم ﷺ سے وفاداری کے لازمی تقاضے کے طور پر حقیقی معنوں میں "نظام مصطفیٰ ؐ" کی تحریک چلا کر ہم اللہ کی نگاہ میں سرخرو ہو سکتے ہیں۔

میں آخر میں اپنے اس موقف کی تائید میں ایک دلیل یا گواہی مزید پیش کرنا چاہتا ہوں۔ اپریل 2010ء میں اکابر دیوبند کا ایک اہم اجلاس جامعہ اشرفیہ لاہور میں ہوا جو کئی دن تک جاری رہا۔ ملک کے دگرگوں حالات' مدارس کے حوالے سے حکومت کی پالیسی' خودکش دھماکوں کا Issue' یعنی روک تھام کیسے کی جائے وغیرہ۔ پورے پاکستان سے مسلک دیوبند کے اکابر علماء اس میں شریک ہوئے۔

اس سہ روزہ اجلاس کے آخر میں گفتگو اور غور و خوض کا حاصل 'ایک متفقہ اعلامیہ' کے عنوان سے ایک کتابچہ کی صورت میں شائع کیا گیا۔ اس "متفقہ اعلامیہ" کے آغاز میں اس حقیقت کا کھلے لفظوں میں اظہار کیا گیا ہے کہ پاکستان میں جو بگاڑ' زوال اور انحطاط اور بدامنی ہے اس کا اصل سبب یہ ہے کہ ہم نے اللہ کے عطا کردہ اس ملک میں اللہ کے دین اور محمد رسول اللہ ﷺ کے عطا کردہ نظام کو قائم اور غالب نہیں کیا۔ گویا جو اگلے دو نکات بھی میری آج کی گفتگو کی صد فی صد تصدیق کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں:

1۔ اس بات پر ہمارا ایمان غیر متزلزل ہے کہ اسلام ہی نے یہ ملک بنایا تھا' اور اسلام ہی اسے بچا سکتا ہے' لہٰذا حکومت کا فرض ہے کہ وہ ملک میں اسلامی تعلیمات اور قوانین کو نافذ کرنے کے لئے مؤثر اقدامات کرے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمارا دینی فریضہ بھی ہے' اور ملک کے آئین کا اہم ترین تقاضا بھی۔ اور اسی کو نظر انداز کرنے کی وجہ سے ملک میں انتہا پسندی کی تحریکیں اٹھی ہیں' اگر ملک نے اپنے اس مقصد وجود کی طرف واضح پیش قدمی کی ہوتی تو ملک اس وقت انتہا پسندی میں نہ ہوتا۔ لہٰذا وقت کا اہم ترین تقاضا ہے کہ پُر امن ذرائع سے پوری نیک نیتی کے ساتھ ملک میں نفاذ شریعت کے اقدامات کیے جائیں۔

2- تمام سیاسی اور دینی جماعتوں کا فرض ہے کہ وہ اپنے دوسرے مقاصد پر نفاذِ شریعت کے مطالبے کو اولیت دے کر حکومت پر دباؤ ڈالیں' اور اس غرض کے لئے مؤثر مگر پُر امن جدوجہد کا اہتمام کریں' اور عوام کا فرض ہے کہ جو جماعتیں اور ادارے اس مقصد کے لئے جدوجہد کر رہے ہیں' ان کے ساتھ مکمل تعاون کریں۔

حضرات محترم! یہ بالکل وہی بات ہے جس کی دعوت والد محترم ڈاکٹر اسرار احمدؒ گزشتہ 37 برس سے دے رہے تھے۔ گویا ع "متفق گردید رائے بوعلی با رائے من!"

جگر مراد آبادی کا ایک شعر ذہن میں آتا ہے۔

چمن کے مالی اگر بنا لیں موافق اپنا شعار اب بھی
چمن میں آ سکتی ہے پلٹ کر چمن سے روٹھی بہار اب بھی

میں اکابر دیوبند کے اس حقیقت پسندانہ اعلامیے پر جو بہترین تشخیص اور بہترین قابل عمل لائحہ عمل پر مشتمل ہے انہیں خراج تحسین پیش کرتا ہوں ...... لیکن "حیراں ہوں' دل کو روؤں کہ پیٹوں جگر کو میں" کے مصداق شدید رنج و غم اس بات پر ہے کہ اس اعلامیہ کو آج ساڑھے 7 برس ہو چکے ہیں' لیکن اس پر عمل کے حوالے سے بدقسمتی سے ایک انچ کی پیش رفت بھی نظر نہیں آتی۔

"ایک طرز تغافل ہے سو وہ ان کو مبارک
اک عرض تمنا ہے سو ہم کرتے رہیں گے"

آخر میں اپنی تلخ نوائی پر معافی کا خواستگار ہوں۔

غالب کا یہ شعر میرے جذبات کی بہتر ترجمانی کرتا ہے:

رکھیو غالب مجھے اس تلخ نوائی پہ معاف
آج پھر درد مرے دل میں سوا ہوتا ہے

مجھے یقین ہے کہ اگر ملی یک جہتی کونسل کا یہ پلیٹ فارم تمام دینی جماعتوں کو تحریک کے لیے یک جہت کرنے کا عزم کرلے تو ان شاء اللہ اصل مقصود یعنی غلبہ و اقامت دین/نظام مصطفیٰ کا نفاذ یقینی بنایا جاسکتا ہے۔ اللھم وفقنا لھذا!

پاکستان میں نفاذ اسلام کی تحریک چلانے کے حوالے سے ماحول بہت سے حوالوں سے نہایت سازگار ہے۔

(1) ہمارا دستور ہماری پشت پر ہے۔ اس لیے کہ اس میں اللہ کی حاکمیت کو تسلیم کرنے کا اعلان ہے جبکہ عملاً پورا نظام اللہ کی حاکمیت سے بغاوت پر مشتمل ہے۔ لہٰذا اللہ کی حاکمیت کے نظام کے لیے تحریک چلانا ہمارا دستوری حق ہے۔ دستور کی دھجیاں وہ بکھیر رہے ہیں جو اسلامی نظام کی راہ میں رکاوٹ بنے ہوئے ہیں۔

(2) مسالک کے اختلاف کے باوجود ایک متفقہ دستوری دستاویز پر تمام مسالک کے چوٹی کے علماء و زعماء 1949ء میں متفق ہونے کا ثبوت پیش کر چکے ہیں۔

31 علماء کے 22 نکات کی صورت میں ——

(3) مسلکی اختلافات کا Issue بھی ہمارے ملک میں نہایت خوش اسلوبی سے طے ہو چکا ہے۔ اسلامی نظریاتی کونسل کا ادارہ 1962ء سے سرگرم عمل ہے اور وہ اپنا اصل کام آج سے کم و بیش 20 سال پہلے مکمل کر چکا ہے۔ اس کے بعد تو محض سیاسی مفادات کی خاطر اس کو استعمال کیا جاتا ہے۔ سیاسی رشوت کے طور پر۔ پرویز مشرف دور میں بالخصوص اسے منفی کاموں کے لیے استعمال کیا گیا۔ اور غیر مستند اور متجددانہ سوچ رکھنے والے نام نہاد دانشوروں کو اس میں داخل کیا گیا۔ پرویز مشرف کے دور اقتدار سے قبل یہ ادارہ اپنا اصل کام مکمل کر چکا تھا۔

اس کی سفارشات پر تمام مسالک کا اتفاق رائے تھا۔ لیکن یہ سارا نہایت وقیع علمی کام آج کباڑ خانے کی زینت ہے اور آج بھی ملکی ریاستی نظام کے حوالے سے ان کی سفارشات کو نافذ کر دیا جائے تو چند دنوں کے اندر ریاست کی Islamization کی منزل سر کی جاسکتی ہے اور ایک مثالی اسلامی ریاست کی تشکیل عمل میں آسکتی ہے۔ گویا:

موسم اچھا' پانی وافر مٹی بھی زرخیز
جس نے پھر بھی کھیت نہ سینچا وہ کیسا دہقان!

❋❋❋

اطلاع عام

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی، گڑھی شاہو لاہور سے درج ذیل پتہ پر منتقل ہو گیا ہے

''دارالاسلام''

مرکز تنظیم اسلامی

پتہ مقام 23 کلومیٹر ملتان روڈ (نزد چوہنگ) لاہور
(اڈا چوہنگ اور موہلنوال سٹاپ کے وسط میں)

پتہ ڈاک: ملتان روڈ چوہنگ لاہور۔ پوسٹل کوڈ 53800
فون: 79-35473375 (042)

email: markaz@tanzeem.org
website: www.tanzeem.org

غلبۂ و اقامتِ دین کی جدوجہد کا حُدی خواں — تنظیم اسلامی کی انقلابی دعوت کا ترجمان

ماہنامہ میثاق لاہور

اجرائے ثانی: ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

شمارہ مارچ 2018ء
جمادی الاخریٰ ۱۴۳۹ھ

مشمولات

☆ امن کا راستہ — ادارہ
☆ ایمان اور عمل صالح: سورۃ العصر کی روشنی میں — مولانا عبدالغفار حسنؒ
☆ حقیقتِ بِر و تقویٰ: آیۃ البر کی روشنی میں — شجاع الدین شیخ
☆ یہ بھی دیکھو کہ کون کہہ رہا ہے؟ — محمد بلال
☆ طائف کے پتھر — بینا حسین خالدی
☆ اسلام اور دیگر مذاہب میں مہر کا تصور — حافظ محمد زاہد
☆ اِکرامُ المُسلِمین — پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

محترم ڈاکٹر اسرار احمدؒ کا ''بیان القرآن'' باقاعدگی سے شائع ہو رہا ہے!
☆ صفحات: 100 ☆ قیمت فی شمارہ: 30 روپے ☆ سالانہ زر تعاون (اندرون ملک) 300 روپے

مکتبہ خدام القرآن لاہور
36۔ کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور

پاکستان کا مطلب کیا؟
لا الٰہ الا اللہ

اصغر سودائی روزانہ ایک قومی نظم لکھ کر لاتے اور جلسے میں موجود افراد کو سناتے تھے۔ ایک دن وہ ایک ایسی نظم لکھ کر لائے، جس کے ایک مصرعہ نے گویا مسلمانوں کے دلوں کے تار کو چھولیا۔ آپ سے ایک بار پوچھا گیا تھا کہ یہ مصرع کیسے آپ کے ذہن میں آیا تو آپ نے فرمایا کہ:

''جب لوگ پوچھتے تھے کہ، مسلمان پاکستان کا مطالبہ کرتے ہیں لیکن پاکستان کا مطلب کیا ہے؟ تو میرے ذہن میں آیا کہ سب کو بتانا چاہیے کہ: پاکستان کا مطلب کیا؟'' یہ نعرہ ہندوستان کے طول و عرض میں اتنا مقبول ہوا کہ تحریک پاکستان اور یہ نعرہ لازم و ملزوم ہو گئے اور اسی لیے قائداعظم نے کہا تھا کہ:

''تحریکِ پاکستان میں پچیس فیصد حصہ اصغر سودائی کا ہے۔''

شب ظلمت میں گزاری ہے
اٹھ وقت بیداری ہے
جنگ شجاعت جاری ہے
آتش و آہن سے لڑ جا
پاکستان کا مطلب کیا؟
لا الٰہ الا اللہ

ہادی و رہبر سرورِ دیں
صاحب علم و عزم و یقین
قرآن کی مانند حسیں
احمد مرسل صلی علیٰ
پاکستان کا مطلب کیا؟
لا الٰہ الا اللہ

چھوڑ تعلق داری چھوڑ
اٹھ محمود بتوں کو توڑ
جاگ اللہ سے رشتہ جوڑ
غیر اللہ کا نام مٹا
پاکستان کا مطلب کیا؟
لا الٰہ الا اللہ

جرأت کی تصویر ہے تو
ہمت عالمگیر ہے تو
دنیا کی تقدیر ہے تو
آپ اپنی تقدیر بنا
پاکستان کا مطلب کیا؟
لا الٰہ الا اللہ

نغموں کا اعجاز یہی
دل کا سوز و ساز یہی
وقت کی ہے آواز یہی
وقت کی یہ آواز سنا
پاکستان کا مطلب کیا؟
لا الٰہ الا اللہ

پنجابی ہو یا افغان
مل جانا شرط ایمان
ایک ہی جسم ہے ایک ہی جان
ایک رسول اور ایک خدا
پاکستان کا مطلب کیا؟
لا الٰہ الا اللہ

تجھ میں ہے خالد کا لہو
تجھ میں ہے طارق کی نمو
شیر کے بیٹے شیر ہے تو
شیر بن اور میدان میں آ
پاکستان کا مطلب کیا؟
لا الٰہ الا اللہ

مذہب ہو تہذیب کہ فن
تیرا جداگانہ ہے چلن
اپنا وطن ہے اپنا وطن
غیر کی باتوں میں مت آ
پاکستان کا مطلب کیا؟
لا الٰہ الا اللہ

اے اصغر اللہ کرے
ننھی کلی پروان چڑھے
پھول بنے خوشبو مہکے
وقتِ دعا ہے ہاتھ اٹھا
پاکستان کا مطلب کیا؟
لا الٰہ الا اللہ

قرارداد مقاصد

12 مارچ 1949ء کو دستور سازی کے لیے آئین ساز اسمبلی نے کام شروع کر دیا۔ آئین سازی کی ابتدا قرارداد مقاصد کی منظوری سے کی گئی۔ اس قرارداد کا متن حسب ذیل ہے:

قرارداد مقاصد

1۔ اللہ تعالیٰ کل کائنات کا بلاشرکت غیرے حاکم مطلق ہے اور اسی نے جمہور کی وساطت سے مملکت پاکستان کو اختیارات حکمرانی اپنی مقررہ کردہ حدود کے اندر استعمال کرنے کے لیے نیابتاً عطا فرمائے ہیں۔ چونکہ یہ اختیار حکمرانی ایک مقدس امانت ہے جس کی رو سے مملکت جملہ حقوق و اختیارات حکمرانی جمہور کے منتخب کردہ نمائندہ کے ذریعے سے استعمال کرے گی۔

2۔ جس کی رو سے اصول جمہوریت، حریت، مساوات، رواداری، عدل اور حکمرانی کو' جس طرح اسلام نے ان کی تشریح کی ہے' پورے طور پر ملحوظ رکھا جائے گا۔ جس کی رو سے مسلمانوں کو اس قابل بنایا جائے گا کہ وہ انفرادی اور اجتماعی طور پر خود کو اسلامی تعلیمات کے مطابق جو قرآن وسنت رسول ﷺ میں متعین ہیں تربیت دے سکیں۔

3۔ جس کی رو سے اس امر کا قرار واقعی انتظام کیا جائے گا کہ اقلیتیں آزادی کے ساتھ اپنے مذہبی عقیدوں پر قائم رہ سکیں اور اپنی ثقافتوں کو ترقی دے سکیں۔

4۔ جس کی رو سے وہ علاقے، جواب پاکستان میں داخل ہیں یا شامل ہوگئے ہیں اور ایسے دیگر علاقے جو آئندہ پاکستان میں داخل یا شامل ہو جائیں، ایک وفاقیہ بنائیں گے جس کے ارکان مقرر کردہ حدود اربعہ و متعینہ اختیارات کے ماتحت آزاد ہوں گے۔ جس کی رو سے بنیادی حقوق کی ضمانت دی جائے اور ان حقوق میں قانون اور اخلاق عامہ کے ماتحت مساوات' قانون کی نظر میں برابری، عمرانی، اقتصادی اور سیاسی عدل، اظہار خیال، عقیدہ، دین، عبادت اور ارتباط کی آزادی شامل ہے۔

5۔ جس کی رو سے اقلیتوں اور پس ماندہ و پست طبقوں کے جائز حقوق کے تحفظ کا انتظام کیا جائے، جس کی رو سے نظام عدل کی آزادی کامل طور پر محفوظ ہو۔

6۔ جس کی رو سے وفاقیہ کے علاقوں کی ضمانت اور اس کی آزادی اور اس کے جملہ حقوق کا جن میں بر و بحر اور فضا پر سیادت کے حقوق شامل ہیں، تحفظ کیا جائے گا۔

7۔ تاکہ پاکستان کے عوام فلاح وخوشحالی کی زندگی بسر کر سکیں۔ وہ اقوام عالم میں اپنا جائز اور ممتاز مقام حاصل کر سکیں اور امن عالم کے قیام اور بنی نوع انسان کی فلاح و بہبود میں اضافہ کر سکیں۔

اس قرارداد کو مشرقی پاکستان (اب بنگلہ دیش) کے ہندو اراکین کے سوا سب نے قبول کر لیا۔ ہندو اراکین کا کہنا تھا کہ اب جبکہ پاکستان بن گیا ہے مذہب پر اصرار کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، اس لیے پاکستان کو لادینی حکومت قرار دیا جائے۔ پاکستان کا وجود اس کی سب سے بڑی تردید تھا' اس لیے پاکستان کی دستور ساز اسمبلی کے ارکان کی بھاری اکثریت نے ان کے اعتراض کو رد کر دیا اور قرارداد بھاری اکثریت سے منظور کر لی گئی۔

تاریخ پاکستان کے ہر دور میں اس قرارداد کو بڑی اہمیت حاصل رہی ہے۔ اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ 1985ء میں پاکستان کے صدر جنرل محمد ضیاء الحق نے اسے آئین کا حصہ بنا دیا۔ یہ قرارداد بلاشبہ لیاقت علی خان، علمائے کرام اور مسلم ارکان اسمبلی کا عظیم کارنامہ ہے۔

12 مارچ 1949ء کو اسمبلی میں قرارداد مقاصد پیش کرتے ہوئے وزیر اعظم لیاقت علی خان نے ایک یادگار تقریر کی تھی، جس کا ایک اقتباس یہ ہے۔ انھوں نے فرمایا: ''جناب والا! میں آج کے دن کو اس ملک کی زندگی کا اہم ترین دن سمجھتا ہوں۔ اس دن پر اگر کسی اور دن کو فوقیت حاصل ہے تو صرف یوم آزادی کو اور آزادی کا مطلب بھی یہی تھا کہ ہمیں ایک ایسا موقع ملا ہے کہ ہم وطن عزیز اور اس کے سیاسی نظام کی تعمیر اپنے نظریات اور مقاصد کے مطابق کر سکیں اور جناب والا! میں ایوان کو یاد دلانا چاہتا ہوں کہ اس موضوع پر بابائے قوم قائداعظم کئی مرتبہ اظہار خیال کر چکے ہیں اور پوری قوم ان کے خیالات کی واضح طور پر تائید کر چکی ہے۔ قائداعظم نے فرمایا تھا کہ قیام پاکستان اس لیے ضروری ہے کہ برصغیر کے مسلمان اسلام کی تعلیمات اور روایات کے مطابق اپنی زندگی گزار سکیں اور وہ پوری دنیا پر واضح کر سکیں کہ آج بھی اسلام ان تمام بیماریوں کے لیے تریاق کا درجہ رکھتا ہے جو بنی نوع انسان کو لاحق ہو چکی ہیں۔ لہٰذا جناب والا! آپ دیکھیں گے کہ قرارداد مقاصد کے ابتدائیے میں اس حقیقت کا واضح طور پر یہ اعتراف کیا گیا ہے کہ تمام حاکمیت احکام خداوندی کے تابع ہونی چاہیے اور ہم پاکستان کے عوام اس بات پر پختہ یقین رکھتے ہیں کہ ہر قسم کی حاکمیت اسلام کے مقرر کردہ اصولوں کے مطابق استعمال کی جانی چاہیے تاکہ اس حاکمیت کا غلط استعمال نہ ہو سکے۔ یہ حاکمیت درحقیقت ایک مقدس امانت ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں عطا کی ہے تاکہ ہم اس کے بندوں کی خدمت کے لیے اِسے استعمال کر سکیں۔''

قرارداد مقاصد میں آئینِ پاکستان کے اغراض و مقاصد کی مختصر اُوضاحت کی گئی تھی۔ اس میں جمہوری اصولوں، آزادی، مساوات اور معاشرتی اقدامات کے ساتھ اسلامی اصولوں پر یقین دہانی کرائی گئی اور مسلمانوں کو نوید دی گئی تھی کہ وہ اپنی زندگیاں اسلامی اصولوں کے مطابق بسر کر سکیں گے۔ اس میں یہ بھی واضح کیا گیا تھا کہ پوری کائنات کی حاکمیت اللہ تعالیٰ کی ہے اور اس کی طرف سے پاکستان کے عوام کو جو اختیارات تفویض ہوئے ہیں وہ ایک مقدس فریضہ ہیں۔ اس میں مزید وضاحت کی گئی تھی کہ اقلیتوں کے حقوق کا پورا تحفظ کیا جائے گا اور ہر شہری کو بنیادی حقوق حاصل ہوں گے۔ یہ بھی کہا گیا تھا کہ عدلیہ انتظامیہ سے علیحدہ ہوگی اور پاکستان کی مملکت وفاقی اصولوں پر قائم ہوگی۔

❁❁❁

علماء کے بائیس نکات

علماء کے بائیس نکات

پاکستان کے آئین کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے کے لیے 12 تا 15 ربیع الثانی 1370ھ بمطابق 21 تا 24 جنوری 1951ء کراچی میں مولانا سید سلیمان ندویؒ کی صدارت میں ہر طبقۂ فکر اور مسلک کے مندرجہ ذیل علمائے دین کا ایک چار روزہ طویل اجتماع ہوا:

مولانا شمس الحق افغانی، مولانا محمد بدر عالم، مولانا احتشام الحق تھانوی، مولانا عبدالحامد بدایونی، مولانا مفتی محمد شفیع، مولانا محمد ادریس کاندھلوی، مولانا خیر محمد، مولانا مفتی محمد حسن، پیر امین الحسنات، پیر مانکی شریف، مولانا محمد یوسف بنوری، خلیفہ حاجی ترنگ زئی، قاضی عبدالصمد سربازی، مولانا اطہر علی، مولانا محمد صالح، مولانا راغب احسن، مولانا حبیب الرحمٰن، مولانا محمد علی جالندھری، مولانا داؤد غزنوی، مفتی جعفر حسین، مولانا کفایت حسین، مولانا محمد اسماعیل، مولانا حبیب اللہ، مولانا احمد علی، مولانا محمد صادق، پروفیسر عبدالخالق، مولانا شمس الدین فرید پوری، مفتی محمد صاحب داد، پیر محمد ہاشم مجددی، مولانا ابوالاعلیٰ مودودی، مولانا ظفر احمد انصاری۔

ان علماء نے دستورِ پاکستان کی اساس کے لیے بائیس اصول پیش کیے۔ ان کی تفصیل یہ ہے:

1۔ اصل حاکم تشریعی و تکوینی حیثیت سے رب العالمین ہے۔

2۔ ملک کا قانون کتاب و سنت پر مبنی ہوگا اور کوئی ایسا قانون نہ بنایا جا سکے گا، نہ کوئی ایسا حکم دیا جا سکے گا جو کتاب و سنت کے خلاف ہو۔

(تشریحی نوٹ) اگر ملک میں پہلے سے کچھ ایسے قوانین جاری ہوں جو کتاب و سنت کے خلاف ہوں تو اس کی تصریح بھی ضروری ہے کہ وہ بتدریج ایک معینہ مدت کے اندر منسوخ یا شریعت کے مطابق تبدیل کر دیئے جائیں گے۔

3۔ مملکت کسی جغرافیائی، نسلی، لسانی یا کسی اور تصور پر نہیں بلکہ ان اصول و مقاصد پر مبنی ہوگی جن کی اساس اسلام کا پیش کیا ہوا ضابطۂ حیات ہے۔

4۔ اسلامی مملکت کا یہ فرض ہوگا کہ کتاب و سنت کے بتائے ہوئے معروفات کو قائم کرے، منکرات کو مٹائے اور شعائر اسلام کے احیاء و اعلاء اور متعلقہ اسلامی فرقوں کے لیے ان کے اپنے مذہب کے مطابق ضروری اسلامی تعلیم کا انتظام کرے۔

5۔ اسلامی مملکت کا یہ فرض ہوگا کہ وہ مسلمانانِ عالم کے رشتۂ اتحاد و اخوت کو قوی سے قوی تر کرنے اور ریاست کے مسلم باشندوں کے درمیان عصبیت جاہلیہ کی بنیادوں پر نسلی، لسانی، علاقائی یا دیگر مادی امتیازات کے ابھرنے کی راہیں مسدود کر کے ملت اسلامیہ کی وحدت کے تحفظ و استحکام کا انتظام کرے۔

6۔ مملکت بلا امتیاز مذہب و نسل وغیرہ تمام ایسے لوگوں کی لابدی انسانی ضروریات یعنی غذا، لباس، مسکن، معالجہ اور قیام کی کفیل ہوگی جو اکتسابِ رزق کے قابل نہ ہوں یا نہ رہے ہوں یا عارضی طور پر بے روزگار ہوں، بیماری یا دوسرے وجوہ سے فی الحال سعی اکتساب پر قادر نہ ہوں۔

7۔ باشندگانِ ملک کو وہ تمام حقوق حاصل ہوں گے جو شریعت اسلامیہ نے ان کو عطا کیے ہیں۔ یعنی حدود قانون کے اندر تحفظ جان و مال و آبرو، آزادیٔ مذہب و مسلک، آزادیٔ عبادت، آزادیٔ ذات، آزادیٔ اظہار رائے، آزادیٔ نقل و حرکت، آزادیٔ اجتماع، آزادیٔ اکتسابِ رزق، ترقی کے مواقع میں یکسانی اور رفاہی ادارات سے استفادے کا حق۔

8۔ مذکورہ بالا حقوق میں سے کسی شہری کا کوئی حق اسلامی قانون کی سندِ جواز کے بغیر کسی وقت سلب نہ کیا جائے گا اور کسی جرم کے الزام میں کسی کو بغیر فراہمی موقع صفائی و فیصلہ عدالت کوئی سزا نہ دی جائے گی۔

9۔ مسلمہ اسلامی فرقوں کو حدود قانون کے اندر پوری مذہبی آزادی حاصل ہوگی۔ انھیں اپنے پیروؤں کو اپنے مذہب کی تعلیم دینے کا حق حاصل ہوگا۔ وہ اپنے خیالات کی آزادی کے ساتھ اشاعت کر سکیں گے۔ ان کے شخصی معاملات کے فیصلے ان کے اپنے فقہی مذہب کے مطابق ہوں گے اور ایسا انتظام کرنا مناسب ہوگا کہ ان کے قاضی یہ فیصلے کریں گے۔

10۔ غیر مسلم باشندگانِ مملکت کو حدود قانون کے اندر مذہب و عبادت، تہذیب و ثقافت اور مذہبی تعلیم کی پوری آزادی ہوگی اور انھیں اپنے شخصی معاملات کا فیصلہ اپنے مذہبی قانون یا رسم و رواج کے مطابق کرانے کا حق حاصل ہوگا۔

11۔ غیر مسلم باشندگانِ مملکت سے حدود شریعت کے اندر جو معاہدات کیے گئے ہیں، ان کی پابندی لازمی ہوگی اور جن شہری حقوق کا ذکر دفعہ نمبر 7 میں کیا گیا ہے ان میں غیر مسلم باشندگانِ ملک برابر کے شریک ہوں گے۔

12۔ رئیس مملکت کا مسلمان مرد ہونا ضروری ہے جن کے تدین، صلاحیت اور اصابت رائے پر جمہور یا ان کے مختلف نمائندوں کو اعتماد ہو۔

13۔ رئیس مملکت ہی نظم مملکت کا اصل ذمہ دار ہوگا، البتہ وہ اپنے اختیارات کا کوئی جزو کسی فرد یا جماعت کو تفویض کر سکتا ہے۔

14۔ رئیس مملکت کی حکومت مستبدانہ نہیں بلکہ شورائی ہوگی یعنی وہ ارکان حکومت اور منتخب نمائندگان جمہور سے مشورہ لے کر اپنے فرائض انجام دے سکتا ہے۔

15۔ رئیس مملکت کو یہ حق حاصل نہ ہوگا کہ وہ دستور کو کلاً یا جزواً معطل کر کے شوریٰ کے بغیر حکومت کرنے لگے۔

16۔ جو جماعت رئیس مملکت کے انتخاب کی مجاز ہوگی وہ کثرت آراء سے اسے معزول کرنے کی بھی مجاز ہوگی۔

17۔ رئیس مملکت شہری حقوق میں عامۃ المسلمین کے برابر ہوگا اور قانونی مواخذہ سے بالاتر نہ ہوگا۔

18۔ ارکان و عمالِ حکومت اور عام شہریوں کے لیے ایک ہی قانون و ضابطہ ہوگا اور دونوں پر عام عدالتیں ہی اس کو نافذ کریں گی۔

19۔ محکمہ عدلیہ، محکمہ انتظامیہ سے آزاد ہوگا تاکہ عدلیہ اپنے فرائض کی انجام دہی میں ہیئت انتظامیہ سے اثر پذیر نہ ہو۔

20۔ ایسے افکار و نظریات کی تبلیغ و اشاعت ممنوع ہوگی جو مملکت اسلامی کے اساسی اصول و مبادی کے انہدام کا باعث ہوں۔

21۔ ملک کے مختلف ولایات و اقطاع مملکت واحدہ کے اجزاء انتظامی متصور ہوں گے۔ ان کی حیثیت نسلی، لسانی یا قبائلی وحدہ جات کی نہیں بلکہ محض انتظامی علاقوں کی ہوگی۔ جنھیں انتظامیہ اختیارات کے پیش نظر مرکز کی سیادت کے تابع انتظامی اختیارات سپرد کرنا جائز ہوگا مگر انھیں مرکز سے علیحدگی کا حق حاصل نہ ہوگا۔

22۔ دستور کی کوئی ایسی تعبیر معتبر نہ ہوگی جو کتاب و سنت کے خلاف ہو۔

پاکستان ایک نظر میں

محلِ وقوع:

پاکستان 24 درجے شمالی اور 37 درجے شمالی عرض بلد کے مابین اور 61 درجے مشرقی اور 75 درجے مشرقی طول بلد کے مابین واقع ہے۔ اس کے مشرق میں بھارت، شمال مشرق میں چین، مغرب میں افغانستان اور جنوب مغرب میں ایران ہیں۔ افغانستان کی ایک تنگ پٹی واخان پاکستان کو تاجکستان سے جدا کرتی ہے۔ جب کہ جنوب میں بحیرہ عرب ہے۔ یہ شمالاً جنوباً 1600 کلومیٹر اور شرقاً غرباً 800 کلومیٹر لمبا ہے۔

ہمسایہ ایٹمی طاقتیں:

عوامی جمہوریہ چین اور بھارت

پاکستان کی ایٹمی حیثیت

پاکستان دنیا کی ساتویں، عالم اسلام کی پہلی اور ایشیا کی تیسری بڑی ایٹمی طاقت ہے۔ ایٹمی دھماکے 28 اور 30 مئی 1998ء کو کیے گیے۔

ہمسایہ ممالک:

عوامی جمہوریہ چین، بھارت، افغانستان اور ایران

مذہب:

اسلام ملک کا سرکاری مذہب ہے۔ یہاں مسلمانوں کی آبادی 96.7 فیصد اور اقلیتوں کا تناسب 3.3 فیصد ہے۔

بلند ترین مقام:

کے ٹو بلند ترین مقام ہے جس کی سطح سمندر سے بلندی 28250 فٹ ہے۔

پست ترین مقام:

کراچی پست ترین مقام ہے جس کی سطح سمندر سے پستی 22 میٹر ہے۔

دارالحکومت:

اسلام آباد دنیا کے جدید دارالحکومتوں میں سے ایک ہے۔

دیگر بڑے شہر:

کراچی، لاہور، فیصل آباد، راولپنڈی، حیدر آباد، ملتان، گوجرانوالہ، پشاور، سیالکوٹ، کوئٹہ، سرگودھا، بہاولپور، گجرات، جہلم، واہ اور سکھر۔

خصوصی دلچسپی کے مقامات:

درۂ خیبر، ہنزہ، چترال، وادی کاغان، موہنجودڑو، ہڑپہ، بھنبھور، گلگت، پتریاٹہ، بھوربن، مری۔

زبانیں:

اردو ملک کی سرکاری زبان ہے۔ 1973ء کے آئین میں اُردو کو سرکاری زبان قرار دینے کے بارے میں ایک شق شامل ہے تاہم یہ 2007ء تک دفتری زبان قرار نہیں دی جاسکی۔

علاقائی زبانیں:

سندھی، پشتو، پنجابی، بلوچی، براہوی، بلتی، شینا، سرائیکی اور ہندکو وغیرہ

اہم فصلیں:

گندم، چاول، گنا، کپاس، چنے، دالیں، تمباکو، مکئی، تیل نکالنے والے بیج اور چائے۔

جنگلات کا رقبہ:

کل رقبے کا 4.8 فیصد۔

مشترکہ سرحدوں کی لمبائی

	لمبائی کلومیٹروں میں	میلوں میں
پاک افغان سرحد (ڈیورنڈ لائن) ''مغرب میں''	2252	1400
پاک چین سرحد (شمال مشرق) شمالی علاقوں کے ساتھ	595	370
پاک ایران سرحد (جنوب مغرب)	805	500
پاک بھارت سرحد (جانب مشرق)	1610	1000
کل میزان	5262	3270

اہم معدنیات:

قدرتی گیس، کرومائٹ، چونے کا پتھر، نمک، جپسم، یورینیم، پٹرولیم، تانبا وغیرہ۔

اہم صنعتیں:

چینی، سگریٹ، کپڑا (ہر قسم کا)، بناسپتی گھی، سیمنٹ، بلیڈ، کھاد، کاغذ، کھیلوں کا سامان، بائیسکل، چمڑا اور اس کی مصنوعات، پلاسٹک کا سامان، آلات جراحی، سٹین لیس سٹیل، ہوائی جہاز، بحری جہاز، چینی کے برتن، دھات کے برتن، بجلی کا سامان، بجلی کے پنکھے اور الیکٹرانک کا ہر قسم کا سامان اور فولاد وغیرہ۔

آب وہو

اس کی آب وہوا براعظمی ہے۔ برف پوش پہاڑوں کے قریب واقع علاقوں میں موسم سرد، ساحلی علاقوں میں سمندر کی خنک ہواؤں کے اثرات، میدانی علاقوں میں خشک اور سردیوں میں سخت سرد اور گرمیوں میں سخت گرم، جیکب آباد ملک کا گرم ترین مقام اور شمالی علاقہ جات سرد ترین مقامات ہیں۔

دریا:

دریائے سندھ ملک کا طویل ترین دریا ہے۔ اس کی لمبائی 1800 میل ہے، جبکہ معاون دریاؤں میں ستلج، راوی، چناب اور جہلم شامل ہیں۔ اٹک کے بالکل شمال میں دریائے کابل کا نیلا پانی دریائے سندھ کے پانی میں آ ملتا ہے اور یہیں سے وہ اپنے معاون دریاؤں کے ساتھ پاکستان بھر میں بہتا ہے۔

پہاڑ:

کے ٹو دنیا کی دوسری سب سے اونچی چوٹی ہے اسے سر کرنے کی پہلی کوشش 1903ء میں کی گئی لیکن 1954ء سے پہلے کوئی بھی کوہ پیما اس کی چوٹی تک پہنچنے میں کامیاب نہ ہوسکا۔ اس کی بلندی 28250 فٹ ہے۔

پہاڑی سلسلے:

کوہ ہندوکش، کوہ سلیمان، کوہ ہمالیہ اور کوہ قراقرم۔

دنیا کا بلند ترین میدان جنگ:

سیاچن گلیشیئر دنیا کا بلند ترین میدان جنگ ہے۔ یہاں 1984ء سے وقفے وقفے کے ساتھ پاکستان اور بھارت کے مابین جھڑپیں ہوتی رہی ہیں۔ اس پر بھارت نے غاصبانہ قبضہ کر رکھا ہے۔

پودے:

ریگستانوں، سیراب زمینوں اور ساحل سمندر سے ہمالیہ کی برف پوش چوٹیوں تک پھولوں کی چھ ہزار مختلف اقسام موجود ہیں۔ کیکر، چیل، پھلاہی، دیودار اور صنوبر کے درخت پائے جاتے ہیں۔

بندرگاہیں:

کراچی، بن قاسم، گوادر، پسنی، جیونی اور ماڑہ۔

خشک بندرگاہیں:

لاہور، پشاور، سیالکوٹ، فیصل آباد، حیدرآباد، کراچی اور ملتان۔

اہم صحرا

تھر کا شمار دنیا کے بڑے بڑے صحراؤں میں ہوتا ہے۔ چولستان اور تھل دیگر بڑے صحرا ہیں۔

جھیلیں:

منچھر (سندھ)، کینجھر (سندھ)، سہنا (کوئٹہ)، سیف الملوک (وادی کاغان) اور ست پارہ (سکردو) وغیرہ۔

بڑے بڑے ڈیم

تربیلا اور منگلا کا شمار دنیا کے بڑے بڑے ڈیموں میں ہوتا ہے۔

بین الاقوامی ہوائی اڈے:

اسلام آباد، کراچی، لاہور، ملتان، زیر تعمیر سیالکوٹ۔

ساحل سندھ

ساحل سندھ	330 کلومیٹر
ساحل مکران یا بلوچستان	770 کلومیٹر
کل میزان	1100 کلومیٹر

سمندری حدود

200 بحری میل۔

طرز حکومت

1973ء کے آئین کے مطابق طرز حکومت وفاقی پارلیمانی ہے۔ صدر سربراہ مملکت اور وزیراعظم سربراہ حکومت ہیں۔

پارلیمنٹ:

دو ایوانی یعنی قومی اسمبلی اور سینٹ۔

عدلیہ:

سپریم کورٹ ملک کی سب سے بڑی عدالت ہے۔ صوبوں میں ہائی کورٹس ہیں۔ شرعی مقدمات کے فیصلوں کے لیے سپریم کورٹ ہی کے تحت شرعی عدالت کام کر رہی ہے۔ یہاں وفاقی محتسب اور وفاقی ٹیکس محتسب کے ادارے ہیں۔

پاکستان کا رقبہ

علاقہ	رقبہ کلومیٹروں میں	رقبے کا تناسب
پاکستان	796.095	100.0
پنجاب	205.344	25.8
سندھ	140.914	17.7
سرحد	74.521	9.4
بلوچستان	347.190	43.6
وفاق کے تحت قبائلی علاقے	27220	3.4
اسلام آباد	906	0.1

استحکام پاکستان

استحکام پاکستان ڈاکٹر اسرار احمد کی نگارشات کی روشنی میں

[اِس مضمون کی تیاری میں محترم ڈاکٹر صاحب کی گراں قدر تصنیف ''استحکام پاکستان'' اور اُن کے اُس طویل خطاب سے مدد لی گئی ہے جو انہوں نے 18 فروری 2007ء کو کنونشن سنٹر، اسلام آباد میں دیا تھا، جس میں علامہ اقبال، قائداعظم اور نظریۂ پاکستان اور اس نظریے سے انحراف کے نتائج پر تفصیل سے روشنی ڈالی تھی۔ کتاب ''استحکامِ پاکستان'' میں وہ مضامین شامل ہیں جو اسّی کی دہائی میں خطاباتِ جمعہ اور عام تقاریر میں بیان ہوئے تھے۔ یہ دراصل ''استحکام پاکستان'' کے خصوصی حوالے سے ان بیانات وخطابات کی تلخیص ہے۔]

عدمِ استحکام کے اسباب

راقم کے تجزیے کے مطابق پاکستان کا عدمِ استحکام وہمی وخیالی نہیں، حقیقی وواقعی ہے اور اس کے دلائل اور شواہد ہمارے ماضی اور حال دونوں میں جابجا موجود ہیں۔ آیئے، ذرا اُن حقائق کا جائزہ لیں۔

1۔ سانحۂ مشرقی پاکستان:

سب سے پہلی تلخ حقیقت جو سامنے آتی ہے، وہ یہ کہ وہ پاکستان جو 1947ء میں عالمِ وجود میں آیا تھا، اب کہاں ہے؟ یاد کیجیے کہ سقوطِ مشرقی پاکستان کے سانحے پر صرف ملتِ اسلامیہ پاکستان ہی نہیں، پورا عالمِ اسلام ہل کر رہ گیا تھا، اور جہاں پوری اُمتِ مسلمہ سکتہ سا طاری ہو گیا تھا، وہاں لاکھوں انسان دھاڑیں مار مار کر روئے تھے، یہاں تک کہ حرمین شریفین کی فضا لوگوں کی آہ وبکا اور نالہ وشیون سے گونج اٹھی تھی، اس لیے کہ اُس موقع پر صرف یہی نہیں ہوا تھا کہ مشرقی پاکستان، مغربی پاکستان سے علیحدہ ہو گیا تھا۔ اگر بات صرف اتنی ہوتی تو اتنا عظیم صدمہ نہ ہوتا، بلکہ اس علیحدگی کے جلو میں اُس بدترین شکست کا کلنک ٹیکہ ملتِ اسلامیہ پاکستان کی پیشانی پر لگا تھا، جسے تاریخ عالم کی عظیم ترین ہزیمتوں میں شمار کیا جا سکتا ہے۔ بہرحال سقوطِ مشرقی پاکستان کا حادثۂ فاجعہ پاکستان کے عدمِ استحکام کا منہ بولتا ثبوت ہے اور آئندہ کے لیے ایک تازیانۂ عبرت کے طور پر مناسب ہے کہ اس کی یاد کبھی کبھی تازہ کر لی جائے۔

2۔ سرزمین بے آئین:

قیامِ پاکستان کے فوراً بعد لیاقت علی خان مرحوم کی ''بنیادی اُصولوں کی کمیٹی'' کی رپورٹ کے رد ہو جانے کے بعد دستور سازی میں جو کئی سال کا وقفہ اور خلا رہا تھا، وہ خدا خدا کر کے 1956ء میں ختم ہوا تھا، لیکن 1956ء کے دستور کو واقعتاً دن کی روشنی دیکھنی نصیب ہی نہیں ہوئی۔ پھر 1962ء کا دستور آیا اور صرف چند سال قائم رہ کر ختم ہو گیا۔ اس کے بعد 1973ء میں مسٹر بھٹو نے واقعتاً ایک عظیم کارنامہ سرانجام دیا تھا کہ دن رات محنت کر کے اس پارلیمنٹ کا اتفاق رائے حاصل کر لیا تھا جس کی نمائندہ حیثیت غیر متنازعہ تھی، لیکن افسوس کہ اولاً خود انہوں نے اپنے بنائے ہوئے دستور میں پے بہ پے ترمیم کر کے اُس کا حلیہ بگاڑ دیا اور اُس کی غیر متنازعہ حیثیت کو بھی مجروح کر دیا۔ پھر 1973ء کے مارشل لاء نے اُسے اولاً ساڑھے آٹھ سال تک معطل رکھا اور پھر ترامیم کے ذریعے اُس کے پورے نقشے ہی کو بدل کر رکھ دیا۔ (بعد میں آنے والی حکومتوں نے بھی اپنے اپنے اغراض ومفادات کے تحت ترامیم کر کے 1973ء کے اصل دستور کی شکل ہی مسخ کر دی ہے) تاہم اتنی بات تو ریکارڈ پر موجود ہے اور سب کو معلوم ہے کہ ملک کی متعدد سیاسی جماعتوں اور اہم سیاسی شخصیتوں نے بارہا کہا ہے کہ اگر ایک بار 1973ء دستور ختم ہو گیا تو پھر دوبارہ پاکستان کا دستور کبھی نہ بن سکے گا۔

3۔ کنفیڈریشن کا شوشہ:

عدمِ استحکام کا ایک تیسرا مظہر مسلسل بے دستوری کا ایک نتیجہ یہ ہے کہ اب ملک کے متعدد اور مسلم سیاسی اہمیت کے حامل رہنما برملا کنفڈریشن کا مطالبہ کر رہے ہیں اور اس کے لیے ایک باضابطہ اتحاد ''سندھی، بلوچی، پختون فرنٹ'' کے نام سے وجود میں آ چکا ہے، اور یہ فرنٹ تو ملک سے باہر بنا ہے اور اس میں شریک زعماء اس وقت خود اختیار کردہ جلاوطنی کی زندگی گزار رہے ہیں، لیکن عین باب الاسلام یعنی سندھ کے قلب میں بیٹھ کر ایک شخص نے اس سے بھی آگے بڑھ کر کہا کہ ''اب وقت آ گیا ہے کہ پاکستان کو توڑ دیا جائے۔'' اور کنفڈریشن کے نعرے پر طنزیہ تبصرہ کرتا ہے کہ ہمیں کنفڈریشن ضرور مطلوب ہے، لیکن پاکستان کے اندر نہیں بلکہ اس سے باہر''۔ اور اس سے بھی ایک قدم مزید آگے بڑھا کر ڈنکے کی چوٹ کہتا ہے کہ ''ہم مارشل لاء کی تائید اسی لیے کرتے ہیں کہ اصل میں پاکستان اسی کے ذریعے ٹوٹے گا، اور ہم سیاسی جماعتوں کی جمہوری تحریک کی تائید اس لیے نہیں کرتے کہ وہ جمہوریت کی علم بردار ہیں اور جمہوریت پاکستان کے بقاء کا ذریعہ بن جائے گی۔''

4۔ بھارت کا استحکام:

غور طلب بات ہے کہ بھارت بھی ہمارے ہی ساتھ آزاد ہوا تھا، لیکن اُس نے جھٹ پٹ دستور بنایا اور اُس کی گاڑی ایمرجنسی کے ایک مختصر سے وقفے کے سوا کبھی اُس دستور کی پٹڑی سے نہیں اتری، حالانکہ وہ اگر ہم سے دس گنا بڑا ہے تو اُس کے مسائل ہم سے پچاس گنا زیادہ پیچیدہ اور گھمبیر ہیں۔ چنانچہ نسلی ولسانی اور تہذیبی وثقافتی تقسیم تو وہاں پاکستان کے مقابلے میں کم از کم دس گنا زیادہ ہے ہی، اس پر مستزاد ہے وہ مذہبی تقسیم جس نے وہاں کے مسائل کو مزید کئی گنا زیادہ کر دیا ہے۔ دستوری سطح پر بھارت کی اِس ''پختہ زناری'' کے ساتھ ساتھ ایک نظر ڈالیے اُس کی صنعتی اور عسکری ترقی پر، جس نے اُسے اِس علاقے کی چھوٹی سپر پاور کا درجہ دے دیا ہے۔ الغرض، بھارت کا استحکام بھی پاکستان کے عدم استحکام کے ضمن میں ایک

تقویتی عامل کی حیثیت رکھتا ہے۔

5۔ اصل سبب:

پاکستان کے عدم استحکام کا اصل سبب یہ ہے کہ پاکستان ایک نظریاتی ریاست کی حیثیت سے عالمِ وجود میں آیا تھا، لیکن افسوس کہ اس میں بسنے والوں نے اس کے وجود میں آنے کے فوراً بعد اُس نظریے ہی کو فراموش کر دیا۔ اس سے بھی آگے بڑھ کر واقعہ یہ ہے کہ پاکستان کا حصول برصغیر ملت اسلامیہ کے قافلۂ ملی کی اصلی اور آخری منزل نہیں، بلکہ صرف پہلا ''پڑاؤ'' تھا، اور اس امر کی شدید ضرورت تھی، لیکن افسوس کہ اس بدنصیب قافلے کے رہنماؤں کی اکثریت نے خود ہی پہلے پڑاؤ پر پہنچ کر اصل منزل کو فراموش کر دیا۔ چنانچہ جب خود رہنما ہی اُس پڑاؤ کو اصل منزل قرار دے کر محوِ استراحت ہو گئے تو عوام کا تو کہنا ہی کیا۔

اِس اصل اور اساسی سبب کے نتیجے میں جب ذہنی و فکری انتشار، اخلاقی و عملی اختلال اور سیاسی و انتظامی بحران پیدا ہوا تو اولاً کچھ ہوشیار اور چالاک سرکاری ملازمین نے زمامِ حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی اور جب اس کے نتیجے میں انتشار و اختلال مزید بڑھ گیا تو آخر کار ملک کے منظم ترین ادارے یعنی فوج نے عوام کو سیاسی اعتبار سے نابالغ اور سیاسی جماعتوں اور رہنماؤں کو بدقماش اور آوارہ قرار دے کر ملک و ملت کی سرپرستی کا بوجھ اپنے کاندھوں پر اُٹھا لیا۔ یہ دوسری بات ہے کہ اس سے بھی صورتِ حال میں کوئی بہتری پیدا ہو سکتی تھی نہ ہوئی، لیکن اس کی کوکھ سے مزید پیچیدگیوں اور خرابیوں نے جنم لیا، جن میں سب سے بڑی اور خوفناک پیچیدگی یہ ہے کہ چونکہ پاکستان کی مسلح افواج کی ایک عظیم اکثریت ایک خاص علاقے سے تعلق رکھتی ہے، لہٰذا دوسرے علاقے کے لوگوں میں یہ احساس کچھ از خود اُبھرا اور کچھ ملک و ملت کے دشمنوں نے ابھارا کہ ایک علاقے کے لوگ پورے پاکستان پر حکومت کر رہے ہیں۔ چنانچہ اولاً یہ احساس پوری شدت کے ساتھ مشرقی پاکستان میں پیدا ہُوا اور اُس کے نتیجے میں ملک دولخت ہو گیا، بعد ازاں یہی احساس مغربی پاکستان کے دوسرے صوبوں خصوصاً سندھ اور بلوچستان میں پیدا ہُوا۔ اگر خدانخواستہ اِن ثانوی اثرات و نتائج سے عہدہ برآ ہونے کی کوشش کے ساتھ ساتھ جلد از جلد پاکستان میں ایک زوردار تحریک ایسی نہ اُبھری جو ایک ولولۂ تازہ اور عزمِ نو کے ساتھ دوبارہ سرگرم سفر کر دے تو اندیشہ ہے کہ کہیں بدخواہوں کی پیشنگوئیاں صحیح ثابت نہ ہو جائیں اور دشمنوں کے گھروں میں واقعتاً گھی کے چراغ نہ جلنے لگیں۔ تو آیئے غور کریں کہ پاکستان کے استحکام کی بنیاد کون سی چیز بن سکتی ہے۔

استحکام پاکستان کی ٹھوس بنیاد

ہمارے غور و فکر کا اصل مرکز و محور یہ سوال ہوگا کہ پاکستان کے استحکام کے لیے حقیقتاً اور واقعتاً ٹھوس بنیاد کون سی ہے، جسے مضبوط کرنے سے پاکستان مستحکم ہو جائے اور اپنے وجود اور سالمیت کے خلاف جملہ داخلی اور خارجی حملوں کے مقابلے میں اپنا موثر دفاع کر سکے۔ یہ سوال ظاہر ہے کہ صرف دینی اور مذہبی نقطۂ نگاہ ہی سے اہم نہیں ہے، بلکہ خالص مادی اور دنیوی اعتبار سے بھی نہایت اہم ہے......تو آیئے، سب سے پہلے اِس بات پر غور کریں کہ بالعموم ملکوں کو کن کن جہتوں سے تقویت ملتی ہے اور کن کن عوامل کی بناء پر استحکام حاصل ہوتا ہے اور اِن میں سے کون کون سے عوامل ہمیں پاکستان کے استحکام کے لیے دستیاب ہیں، جنہیں مزید تقویت دے کر ہم پاکستان کو مستحکم کر سکتے ہیں۔

1۔ تاریخی عامل:

اوّلین عامل کو ''تاریخی عامل'' کے نام سے موسوم کیا جا سکتا ہے، یعنی یہ کہ اگر کوئی ملک عرصۂ دراز سے ایک ہی نام اور ایک ہی سے حدودِ اربعہ کے ساتھ قائم ہو تو اُس نام اور اُن حدود کو ایک گونہ تاریخی تقدس حاصل ہو جاتا ہے اور یہ اُس کی تقویت کا موجب اور اُس کے استحکام کا سبب بن جاتا ہے، اور اگر کبھی اس پر بحیثیت مجموعی یا اُس کے کسی علاقے پر جزوی طور پر کوئی دوسرا ملک قبضہ کر لیتا ہے، تب بھی نہ اُس کا نام بدلتا ہے نہ دنیا یہ تسلیم کرتی ہے کہ وہ علاقہ اب اُس ملک کا حصہ نہیں رہا، بلکہ قابض ملک کا جز بن گیا ہے۔ مثال کے طور پر جب سے دنیا کی تاریخ انسان کے علم میں ہے، اُسی وقت سے چین نامی ملک بھی دنیا میں موجود ہے اور اُس کا نام بھی ہمیشہ سے یہی چلا آ رہا ہے اور اُس کی حدود بھی ہمیشہ تقریباً یہی رہی ہیں۔

ظاہر ہے کہ یہ تاریخی عامل اور یہ تاریخی تقدس پاکستان کو حاصل نہیں ہے، اور اِس نام اور اِن حدود کے ساتھ تاریخ انسانی میں کبھی کوئی ملک موجود نہیں رہا، بلکہ پاکستان کا تو لفظ آج سے پچاس سال قبل تک دنیا کی کسی لُغت میں موجود ہی نہیں تھا......حقیقت یہ ہے کہ پاکستان کے استحکام کے لیے ''تاریخی تقدس'' کی قسم کا کوئی عامل موجود نہیں ہے۔ اِس ضمن میں مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم کا وہ قول دلچسپ بھی ہے اور عبرت انگیز بھی، جو حال ہی میں پاکستان کے بزرگ صحافی میاں محمد شفیع نے ایک روزنامے کے کالموں میں نقل کیا ہے، یعنی یہ کہ ''پاکستان کے معاملے کو ہندوستان پر قیاس نہ کیا جائے۔ ہندوستان ایک ملک ہے، اِس کے حالات کتنے بھی خراب ہو جائیں۔ بہرحال یہ موجود رہے گا، جبکہ پاکستان ایک ''تجربہ'' ہے جو اگر ناکام ہو گیا تو پاکستان کا نام و نشان مٹ جائے گا''۔ میرے نزدیک اگر یہ روایت دُرست ہے تو مولانا مرحوم نے ہندوستان اور پاکستان کے درمیان جس فرق کی نشان دہی کی ہے، وہ اِسی تاریخی عامل پر مبنی ہے۔

2۔ جغرافیائی عامل:

کسی ملک کو تقویت دینے والا دوسرا عامل جغرافیائی ہے۔ سب جانتے ہیں کہ اگر کسی ملک کی سرحدیں فطری جغرافیائی حدود کی صورت میں ہوں تو اس سے بھی ملک کو ایک گونہ حفاظت حاصل ہوتی ہے، جو اُس کے استحکام کی موجب اور اُس کے دفاع میں مدد و معاون ہوتی ہے...... موجودہ پاکستان کا حال یہ ہے کہ اسے کسی طبعی اور فطری سرحدوں کا تحفظ کسی درجے میں حاصل ہے بھی تو وہ شمال، جنوب اور مغرب میں ہے، یعنی شمال میں کوہ ہمالیہ اور کوہ قراقرم، جنوب میں سمندر اور مغرب میں کوہ سلیمان کا پہاڑی سلسلہ۔ جہاں تک اِس کی طویل مشرقی سرحد کا تعلق ہے، جدھر سے اسے سب سے زیادہ تحفظ کی ضرورت ہے، اُدھر کسی فطری و طبعی سرحد کا نشان تک موجود نہیں۔ چنانچہ پنجاب کا میدان اِس طرح کاٹا گیا ہے، جیسے کیک کاٹا جاتا ہے اور اگر خاردار تاروں کی کوئی باڑ موجود نہ ہو تو معلوم ہی نہیں ہو سکتا کہ کہاں ایک ملک ختم ہو گیا اور دوسرا شروع ہو گیا۔ رہا سابق ریاست بہاولپور اور پھر سندھ کے ریگزار اور صحرا کا تعلق تو اُس کے ٹیلے تو خود ہی اِدھر سے اُدھر اور اُدھر سے اِدھر آتے جاتے رہتے ہیں۔ وہ کیا نشان بنیں گے اور کیا حفاظت کریں گے۔ الغرض، جغرافیہ بھی ہمارا پُشت پناہ نہیں ہے، بلکہ ہمارے خلاف ہے۔

3۔ انسانی جذبہ:

ملکوں کو مستحکم کرنے والے تیسرے عامل کو ''انسانی جذبہ'' کے نام سے موسوم کیا جا سکتا ہے اور اس میں ہرگز کوئی شک نہیں کہ اگر کسی ملک یا خطۂ ارضی کے رہنے والے انسانوں میں کوئی حقیقی اور واقعی جذبہ پیدا ہو جائے تو یہ تاریخ کو بھی شکست دے سکتا ہے اور جغرافیے سے بھی لڑ سکتا ہے، اس لیے انسان واقعتاً اشرف المخلوقات ہے اور قدرت نے اس میں بے پناہ قوتیں اور توانائیاں ودیعت کر رکھی ہیں۔

اگر ذرا دقتِ نظر سے جائزہ لیا جائے تو انسانی جذبے کی دو ہی قسمیں نظر آئیں گی۔ ایک قوم پرستانہ جذبہ اور دوسرا مذہبی جذبہ۔ ان میں سے بھی اگرچہ تاریخ اِنسانی کے عظیم ترین معجزے تو مذہبی جذبے ہی کے تحت رونما ہوئے ہیں، تاہم کچھ اس بناء پر کہ موجودہ دنیا میں یہ جذبہ بالعموم کمزور ہی نہیں، معدوم کے درجے میں آ گیا ہے۔ یہاں ہم پہلے قوم پرستانہ جذبے اور اُس کی اقسام کا جائزہ لیتے ہیں:

1۔ نسلی قوم پرستی:

قوم پرستی (نیشنل ازم) کی اقسام کا جائزہ لیا جائے تو سب سے پہلے یہ حیران کن حقیقت سامنے آتی ہے کہ موجودہ دنیا میں تمام تر علمی و سائنسی ترقی اور ذہنی و فکری ترفع کے باوجود نسل پرستانہ قومیت کا جذبہ سب سے زیادہ طاقتور اور موثر ہے۔ عہدِ حاضر میں اِس کی دو نمایاں ترین مثالیں جرمن نیشنل ازم اور یہودی نسل پرستی کی صورت میں موجود ہیں...... یہ بات جو دنیا میں بالعموم کہی جاتی ہے کہ موجودہ دنیا کے دو ملک مذہب کی بنیاد پر قائم ہوئے ہیں، ایک پاکستان اور دوسرا اسرائیل۔ تو یہ درحقیقت اسرائیل کی نسل پرستی کو چھپانے کا نہایت شاطرانہ انداز ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ خالص مذہب کی بنیاد پر دنیا میں صرف ایک ہی ملک قائم ہُوا ہے اور وہ ہے پاکستان۔ اسرائیل کی اساس مذہب پر نہیں، نسل پرستی پر ہے اور ''صیہونیت'' اصلاً ایک دینی اور مذہبی تحریک نہیں، بلکہ نسل پرستانہ تحریک ہے اور اسرائیل خالص نسل پرستانہ ملک ہے۔

بے شک نظری طور پر نسل پرستی کی بنیاد پر بھی ایک نہایت طاقتور جذبہ وجود میں آ سکتا ہے، لیکن (الحمدللہ کہ) پاکستان میں نسلی قومیت کے لیے کوئی اساس موجود نہیں ہے، اس لیے کہ برصغیر پاک و ہند نسلی اعتبار سے غالباً پوری دنیا میں سب سے بڑی کھچڑی (بلکہ حلیم!) کی حیثیت رکھتا ہے، اور ظاہر ہے کہ اُسی کا ایک خلاصہ اِس وقت پاکستان میں موجود ہے۔ چنانچہ ہمارے یہاں دراوڑی لوگ بھی موجود ہیں۔ (جیسے بلوچستان کے برہوی قبائل) اور آریائی نسل سے تعلق رکھنے والے بھی موجود ہیں۔ اسی طرح منگول بھی ہیں اور سامی النسل بھی۔ بلوچ بھی ہیں اور افغان بھی، حتیٰ کہ شمالی علاقہ جات میں شین بھی ہیں اور بلتی بھی۔ الغرض، یہاں کسی ایک نسل کے لوگ ایسی غالب اکثریت میں موجود نہیں ہیں کہ نسلی قوم پرستی کی بنیاد پر ملک کے استحکام کی توقع کی جا سکے۔

(ب) لسانی قدم پرستی:

نسلی قوم پرستی کے بعد موجودہ دنیا میں سب سے زیادہ طاقتور قومی جذبہ لسانی قوم پرستی کی صورت میں نظر آتا ہے۔ اس کی بھی دو مثالیں قابلِ توجہ ہیں۔ ایک عرب نیشنل ازم اور دوسرے بنگلہ نیشنل ازم۔ عرب نیشنل ازم جو ماضیٔ قریب میں عالمِ عرب میں ایک زبردست قوّت کی حیثیت سے موجود رہا ہے، اصلاً ایک لسانی نیشنل ازم ہے، اس لیے کہ اس کی اساس نہ مذہب پر ہے نہ نسل پر، بلکہ صرف اور صرف زبان پر ہے۔ چنانچہ اس کے حلقہ بگوش اور علم بردار صرف مسلمان ہی نہیں رہے ہیں بلکہ دانشوروں کی سطح پر اس میں زیادہ بھاری پلڑا عیسائیوں کا رہا ہے، حتیٰ کہ یہودی بھی اس میں شریک رہے ہیں۔

اسی طرح پاکستان کے عدمِ استحکام اور دولخت ہونے میں جہاں منفی طور پر اولاً بے مقصدیت اور بے یقینی کے خلاء، اور بعدازاں مارشل لاء کے ردِعمل کو دخل حاصل ہے، وہاں مثبت طور پر جو ہتھیار سب سے زیادہ کارگر اور جو وار سب سے بڑھ کر کاری ثابت ہُوا، وہ بنگلہ نیشنل ازم کا تھا جس کی اساس بنگلہ زبان پر قائم کی گئی تھی...... پاکستان کی زندگی کے پہلے پچیس برسوں کے دوران جہاں ایک بے یقینی اور بے مقصدیت کا خلاء مہیب سے مہیب تر ہوتا چلا گیا اور قومی و ملّی سطح پر صعف بڑھتا چلا گیا، وہاں مشرقی پاکستان میں بنگلہ زبان، بنگلہ ادب، بنگلہ تہذیب اور بنگلہ ثقافت کے حوالے سے بنگلہ نیشنل ازم قدم جماتا چلا گیا اور بالآخر اس کے منطقی نتیجے کے طور پر بنگلہ دیش وجود میں آ گیا۔

زبان کا اشتراک لوگوں کو ایک دوسرے سے قریب لانے اور اُن میں یگانگت پیدا کرنے میں نسلی اشتراک سے بھی زیادہ موثر اور سریع الاثر ہے، اس لیے نسلی اشتراک کا تعلق اصلاً ماضی اور اُس کی روایات سے ہوتا ہے، جبکہ لسانی اشتراک فی الفور محسوس اور مشہود ہوتا ہے اور اپنی مادری زبان میں انسان اپنے جذبات و احساسات کا اظہار جس بے تکلفی سے اور جس بھرپور انداز میں کر سکتا ہے، کسی دوسری زبان کو خواہ وہ کتنا بھی سیکھ لے اور اُس میں کتنی بھی مہارت حاصل کرے، اُس میں جذبات کے اظہار کی وہ کیفیت کبھی پیدا نہیں ہو سکتی۔ بنا بریں لسانی اشتراک اجتماعیات انسانیہ میں ''عصبیت'' پیدا کرنے میں بہت دخیل اور موثر ہے...... اِس اعتبار سے دیکھا جائے تو اگرچہ پاکستان میں وہ واحد زبان جو اِس کے ہر حصے میں بولی اور سمجھی جاتی ہے، صرف اور صرف اُردو ہے، تاہم اِس کا عمل دخل اتنا بہرحال نہیں ہے کہ اُسے ایک لسانی قومیت کی بنیاد بنایا جا سکے، اور بنگلہ زبان کا مسئلہ ختم ہو جانے کے بعد موجودہ پاکستان میں کم از کم ایک زبان ایسی موجود ہے جو کسی بھی طور سے اردو کی بالادستی کو تسلیم کرنے پر تیار نہیں۔ ہماری مراد سندھی زبان سے ہے جس کی اساس پر سندھی نیشنل ازم، ہو بہو بنگلہ نیشنل ازم کے خطوط پر پروان چڑھ رہا ہے۔ الغرض ہمارے پاس آل پاکستان اساس پر کسی لسانی قومیت سے پیدا شدہ جذبۂ عمل تو درکنار، قومی زبان کے مسئلے کا حل بھی موجود نہیں ہے۔

(ج) وطنی قومیت: وطن کی اساس پر قومیت کی تشکیل کا تصور زیادہ پُرانا نہیں ہے اور اسے عہد جدید کی پیداوار قرار دینا غلط نہ ہوگا۔ تاہم اِس وقت عالمی سطح پر کم از کم نظری اور دستوری و قانونی اعتبار سے سب سے زیادہ چرچا اور سب سے بڑھ کر رواج اِسی کا ہے۔ منطقی اعتبار سے یہ بات بڑی وزنی نظر آتی ہے کہ اگر کسی ملک کے رہنے والوں میں اپنے وطن سے قلبی محبت کا جذبہ پیدا ہو جائے تو یہ اُن کے احساسات و جذبات میں یک رنگی و ہم آہنگی اور فکر و عمل میں اتحاد اور یک جہتی کی بنیاد بن جائے گا، اور اس کے زیرِ اثر رنگ و نسل، عقیدہ و مذہب اور زبان و ثقافت کا فرق و امتیاز، جو ملکوں اور قوموں کی کمزوری کا باعث بنتا ہے، اگر بالکل ختم نہیں ہوگا تو کم از کم غیر اہم ضرور ہو جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ عہدِ حاضر میں قومیت کے تعین کے ضمن میں وطن ہی کو تقریباً متفقہ طور پر اساس تسلیم کر لیا گیا ہے...... پاکستان میں کسی قوم پرستانہ جذبے کی پیدائش اور نشو و نما کے لیے نہ اشتراکِ نسل کی بنیاد موجود ہے نہ اشتراکِ زبان کی۔ بالفعل ''وطنی قومیت'' صرف ملکی دستور میں شہریت کی اساس اور پاسپورٹوں پر قومیت کے اندراج کے طور پر کام آتی ہے اور اس نے کسی موثر قوم پرستی کی صورت کہیں بھی اختیار نہ کی۔ اس کی تین وجوہ ہیں:

پہلی وجہ: دو قومی نظریہ:

پاکستان دو قومی نظریے کی اساس پر وجود میں آیا تھا، جو وطنی قومیت کے نظریے کی کامل نفی کی حیثیت رکھتا ہے۔ تو کیسے ممکن ہے کہ کوئی ملک قائم تو ہو کسی نظریے کی کامل نفی کی اساس پر اور پھر اُس کے استحکام کے لیے وہی نظریہ جڑ بنیاد کا کام دے سکے۔ وطنی قومیت کا نظریہ قیامِ پاکستان کی نفی ہے اور اس کے فروغ سے پاکستان کی جڑیں مزید کھوکھلی تو ہو سکتی ہیں، مضبوط نہیں ہو سکتیں۔

دوسری وجہ: مسلمانوں کی طبعی ساخت:

دوسری نہات اہم وجہ ہے کہ مسلمانوں خواہ وہ باعمل ہو، خواہ بے عمل، بہرحال اُس کے مزاج کی ایک مستقل ساخت ہے، اور اُس کی طبیعت کی ایک خاص افتاد ہے، جس میں زمین کی پرستش اور وطن کے تقدس کے تصور

کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ گویا اُس کی شخصیت کا خمیر جس مٹی سے اُٹھا ہے، اُس میں حُبِ وطن کا مادہ تو ہوسکتا ہے، ''وطن پرستی'' کا امکان نہیں۔ پروفیسر مرزا محمد منور اِس حقیقت کو اِن خوبصورت الفاظ سے تعبیر کیا کرتے ہیں کہ ہندو کلچر زمین میں گڑا ہوا اور زمین سے بندھا ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اُن کے یہاں زمین ''دھرتی ماتا'' کی حیثیت رکھتی ہے اور ''بھارت کی جے'' کے نعرے سے اُن کے جذبات میں اُبھار اور احساسات میں ارتعاش پیدا ہو جاتا ہے، جبکہ مسلمانوں کے دل میں زمین کے مقدس یا دیوتا ہونے کا کوئی تصور موجود نہیں ہے بلکہ اس کا مزاج ''آفاقی'' ہے اور اُس کے جذبات میں گرمی اور احساسات میں ہلچل ''اللہ اکبر'' کے نعرے سے ہوتی ہے...... اِس معاملے میں برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں کو زیادہ ہی خصوصیت حاصل ہے اور ان کا مزاج کچھ زیادہ ہی آفاقی ہے۔ اس کا ایک ممکنہ سبب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ چونکہ یہاں کوئی دوسری نسلی یا لسانی عصبیت ایسی موجود نہیں تھی جو انہیں ایک دوسرے سے باندھ سکتی، لہٰذا اپنی شیرازہ بندی کے لیے اُنہیں مذہب کی قوتِ ماسکہ پر دوسرے علاقوں کے مسلمانوں کے مقابلے میں زیادہ ہی انحصار کرنا پڑا اور چونکہ اسلام ایک علاقائی مذہب نہیں، بلکہ آفاقی اور عالمی مذہب ہے، لہٰذا اُن میں ''آفاقیت'' دوسروں کے مقابلے میں زیادہ ہی سرایت کرگئی۔

تیسری وجہ: تقسیم در تقسیم کا اندیشہ:

اگر زمینی تعلق ہی کو قومی جذبے کی بنیاد بنانے پر زور دیا جائے تو اس سے اتحاد نہیں، انتشار وجود میں آئے گا، اس لیے کہ یہ نظریہ ایک ایسے حیوان کے مانند ہے جو اپنے دشمن کو خود اپنے ہی دودھ سے پالتا ہے۔ چنانچہ ''وطنی قومیت'' ہی کے بطن سے ''علاقائی قومیتیں'' جنم لیتی ہیں اور اُسی کی چھاتیوں سے دودھ پی کر پروان چڑھتی ہیں۔ اس ضمن میں بھارت کا معاملہ اگرچہ پاکستان سے قدرے مختلف ہے کہ لفظ بھارت بھی کئی ہزار سال پرانا ہے اور ''مہابھارت'' تصور بھی نہایت قدیم ہے، جبکہ ''پاکستان'' کا تو نام ہی حادثِ محض ہے، اس کے باوجود ''وطنی قومیت'' کے نظریے میں تقسیم در تقسیم کے جو بیج بالقوہ موجود ہوتے ہیں، اُس کا نقشہ بھارت میں بھی نظر آرہا ہے اور علاقائی قومیتیں اور مقامی عصبیتیں نسلی اور لسانی عوامل سے مزید تقویت پاکر نہایت تیزی اور تندی کے ساتھ سر اُٹھا رہی ہیں اور بھارتی قیادت کو اپنی ملکی وحدت و سالمیت کو برقرار رکھنے کے لیے پیہم و مسلسل اور شدید و جاں گسل محنت کرنی پڑ رہی ہے۔ اِس پس منظر میں دیکھا جائے تو پاکستان کا معاملہ بے حد نازک اور کمزور ہے، اس لیے کہ پاکستان کا تو تصور بھی پچاس سال سے زیادہ کی تاریخ نہیں رکھتا، اور کم از کم اس نام کے ساتھ کسی سیاسی وحدت اور اُس کی عظمت و سطوت کی کوئی تاریخ موجود نہیں۔ لہٰذا اگر اس کی اساس پر وطنی قومیت کا راگ الاپا گیا تو اصل تقویت سندھی، بلوچی، پختون اور پنجابی قومیتوں کو حاصل ہوگی، اس لیے کہ اگر فی الواقع زمینی رشتہ ہی مقدس ہے تو ایک سندھی کے لیے سندھ کے وطن ہونے کا تصور زیادہ قریبی بھی ہے اور قدیمی بھی۔ پھر اِس کو تقویت دینے کے لیے خاص طور پر لسانی عامل موجود ہے جو نہایت قوت کا حامل ہے اور ظاہر ہے کہ پاکستان کا لفظ بھی نہ قرآن میں ہے نہ حدیث میں، اور اس کی حدود بھی ہرگز نہ کتاب و سنت سے ماخوذ ہیں نہ اُن پر مبنی۔ تو پھر اگر وطن ہی کو ''پوجنا'' ہے تو سرزمینِ سندھ کو کیوں نہ پُوجا جائے۔

خلاصۂ کلام

اِس پوری بحث کا حاصل یہ ہے کہ پاکستان کے استحکام کے لیے نہ ''تاریخی تقدس'' کا عامل موجود ہے، نہ ہی جغرافیائی عوامل اس کے پشت پناہ ہیں۔ پھر کوئی نسلی، لسانی یا وطنی قومیت کا جذبہ بھی ایسا موجود نہیں ہے جو استحکام کے لیے پختہ اساس اور سنگین بنیاد کا کام دے سکے۔ لہٰذا اِس کے استحکام کا کُل دارومدار صرف ایک چیز پر ہے اور وہ وہی ہے جس نے اِسے جنم دیا ہے، یعنی مذہبی جذبہ۔ گویا پاکستان کا معاملہ بالکل ع ''کافر نتوانی شد، ناچار مسلماں شو'' والا ہے کہ اگر اسے اپنی بقا مطلوب ہے اور یہ کسی دوسری طاقت کا طفیلی یا زیردست بن کر نہیں، بلکہ باوقار اور باعزت اور حقیقتاً آزاد اور خودمختار ہو کر باقی رہنا چاہتا ہے تو اس کے لیے کوئی اور چارۂ کار سرے سے موجود ہی نہیں ہے، سوائے اس کے کہ یہ اسلام کا دامن تھامے اور اُسی کا سہارا لے۔

نظریۂ پاکستان سے ہمارا انحراف

لیاقت علی خان کی شہادت کے بعد اسلام کا وہ کھیل ختم ہوگیا (جو تحریک پاکستان کے زمانے میں ذمہ دار تھا، یہ ایک الگ بحث ہے، لیکن بہ حیثیت مجموعی پوری قوم، تمام مسلمانانِ پاکستان اِس کے ذمہ دار اور مجرم ہیں کہ اس کے بعد اسلام کی طرف کوئی پیش رفت نہیں ہوسکی۔ اسلام کا سوشل جسٹس کا نظام، عدلِ اجتماعی، اخوت و بھائی چارہ، مساوات اور آزادی، یہ سب کہاں ہیں؟ پاکستان کی سیاست اور حکومت پر سیکولرازم کا رنگ چھایا ہوا ہے، اور اب تو روشن خیالی کے نام سے نئے ابعاد کا اضافہ کیا جارہا ہے اور بات آگے سے آگے بڑھتی چلی جارہی ہے۔

ہماری معیشت سُود پر مبنی ہے، حالانکہ اسلام کی رُو سے سُود سے بڑھ کر کوئی گناہ نہیں ہے۔ کسی گناہ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے چیلنج نہیں آیا، لیکن سود کے گناہ پر اللہ کی طرف سے چیلنج آیا ہے کہ اگر باز نہیں آتے تو اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کی طرف سے اعلانِ جنگ ہے۔ (البقرہ: 279) سود کی شناعت اور شدت کے بارے میں نبی کریم ﷺ کی حدیث مبارکہ ہے کہ: ''سُود کے گناہ کے ستر حصے ہیں، اور سب سے ہلکا گناہ اس کے مساوی ہے کہ کوئی شخص اپنی ماں کے ساتھ زنا کرے۔'' علامہ اقبال کہتے ہیں کہ سود تو اُم الخبائث ہے اور اس کے بطن سے تو خباثت ہی وجود میں آئیں گے، جبکہ قرضِ حسنہ ایک نعمت ہے اور اس کے اندر لذت ہے جسے آج کوئی واقف نہیں۔ قائداعظم نے سٹیٹ بنک آف پاکستان کا افتتاح کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ اب آپ کو اسلام کا نظامِ معیشت تیار کرنا ہے۔ مغربی نظامِ معیشت نے انسان کو کوئی خیر اور بھلائی عطا نہیں کی۔

بینکنگ کے نظام کی جو تلخ ترین حقیقت ہے، اُس تک علامہ اقبال کی نگاہِ تیز پہنچ گئی تھی اور انہوں نے کہہ دیا تھا کہ جب تک بینکنگ کا یہ نظام ملیامیٹ نہیں ہوجاتا، تب تک کہاں کی دانش، کہاں کی تہذیب اور کہاں کا دین؟

اسی طرح یہاں پر غیر حاضر زمینداری کا نظام قائم ہے۔ یہ دورِ ملوکیت کی پیداوار ہے۔ دورِ بنو اُمیہ میں جو جاگیریں دی گئی تھیں، اسلام کے مجددِ اوّل عمر بن عبدالعزیزؒ نے اُن کے سارے وثائق اور دستاویزات منگوا کر انہیں قینچی کے ساتھ کتر کر پھینک دیا تھا اور سب زمینداریاں ختم کردی تھیں۔

ہندوستان میں مسلمان بادشاہوں نے اپنی وسیع عریض سلطنت میں اپنی رِٹ قائم کرنے کے لیے اپنے پسندیدہ لوگوں کو بلکہ صحیح تر الفاظ میں خوشامد کرنے والوں کو پنج ہزاری اور دس ہزاری کے عہدوں سے نوازا کہ وہ پانچ یا دس ہزار فوج اپنے ماتحت رکھ سکتے تھے۔ بادشاہ اُنہیں وسیع رقبے الاٹ کر دیتا تھا اور یہ کہنا حقیقت سے بعید نہ ہوگا کہ ان الاٹ شدہ زمینوں میں رہنے والے لوگ اپنے نواب یا جاگیردار کے باجگزار کی طرح ہوتے تھے۔ یہ کسان شب و روز کی محنت سے زمینوں کو سرسبز کرتے تو وہاں ہر قسم کی فصل اگاتے جو سب کی سب جاگیردار کو پیش کر دی جاتی۔ جاگیردار اُنہیں صرف اتنا اناج دے دیتا جس سے جان و جسم کا رشتہ قائم رہتا۔ انگریز نے بھی یہ طریقہ جاری رکھا اور اب یہ بڑی بڑی جاگیریں اُن کو دی جاتیں جو انگریز کے

وفادار ہوتے۔ اس سے بہت بڑا جاگیرداری سسٹم وجود میں آ گیا جو کسانوں کا استحصال کر کے مرکز کو کچھ نہ کچھ حصہ دینا اور خود بھی کسان کی خون پسینے کی کمائی سے عیش وعشرت میں مشغول رہنا۔ اسلام کے نام پر قائم ہونے والے پاکستان میں نظر دوڑا کر دیکھیے کہ کہاں ہے وہ سوشل جسٹس؟ کہاں ہے خلافتِ راشدہ کے سنہری دور کا عکس؟ کہاں ہے کفالتِ عامہ کا وہ نظام کہ بچہ پیدا ہو تو اُس کا وظیفہ مقرر کر دیا جائے گا؟ جاگیردار اور زمیندار ہاری کے خون پسینے کی کمائی پر عیش کرتا ہے۔ اُن کے اپنے بچے انگلستان اور امریکا میں تعلیم حاصل کرتے ہیں، جبکہ ہاری کے بچے کو نہ دوا ملتی ہے اور نہ تعلیم کی کوئی سہولت میسر ہے۔

مغرب کے تعلیمی نظام کے ذریعے جو تہذیبی یلغار آئی تھی، وہ ابھی تک تو صرف اونچے طبقات مثلاً سول اور ملٹری بیوروکریسی تک محدود تھی کہ اُن کی نشست و برخاست اور وضع قطع وغیرہ مغربی تھی، مگر اب یہ یلغار وسیع پیمانے پر آ رہی ہے، بلکہ اب تو ہمارے اوپر دوطرفہ یلغار ہو رہی ہے۔ ایک یلغار تو تہذیب کے اعتبار سے مغرب کی طرف سے آ رہی ہے اور اب کھل کر مسلمانوں کی تہذیب کو برباد کرنے کی باتیں ہو رہی ہیں۔

نظریۂ پاکستان سے انحراف کے نتائج

یہ صورتِ حال درحقیقت اللہ سے کیے ہوئے وعدے سے عظیم انحراف کا نتیجہ ہے۔ ہم نے اللہ تعالیٰ سے وعدہ کیا تھا کہ اے پروردگار! اگر تُو ہمیں آزادی کی نعمت عطا کر دے تو ہم تیرے دین کا بول بالا کر دیں گے۔ ہمارے قائد نے دس برس تک اسلام کی قوالی گائی، اسلام کے راگ الاپے، لیکن ہم نے ان کے رخصت ہونے کے بعد اِس وعدے سے انحراف کیا اور اِس انحراف کا نتیجہ ''نفاق'' کی صورت میں نکلا ہے۔ میں نے نفاق کا لفظ سورۃ التوبہ کی تین آیات 75 تا 77 کے حوالے سے استعمال کیا ہے۔ اِن آیات میں مدینہ کے منافقین کی ایک خاص قسم کا ذکر ہو رہا ہے۔ نفاق وہ چیز ہے جس کے بارے میں سورۃ النساء 145 میں کہا گیا ہے: ''یقیناً منافق تو جہنم کے سب سے نچلے طبقے میں ہوں گے۔''

اب میں تین قسم کے نفاق کا تذکرہ کر رہا ہوں۔ پہلا نفاق ''نفاقِ باہمی'' ہے۔ ہم ایک قوم ہوتے تھے، لیکن اب قومیتوں میں تحلیل ہو چکے ہیں۔ اب تو عصبیتیں ہی عصبیتیں ہیں۔ صوبائی عصبیتیں ہیں۔ علاقائی عصبیتیں ہیں۔ لسانی عصبیتیں ہیں۔ پھر مذہبی اختلافات ہیں۔ 1971 میں ملک خداداد پاکستان دولخت ہوا۔ یہ پاکستان کی تاریخ کی عظیم ترین ہزیمت تھی۔ اندرا گاندھی نے اس موقع پر کہا تھا کہ ''ہم نے اپنی ہزار سالہ شکست کا بدلہ چکا دیا ہے۔ اُس نے یہ بھی کہا تھا کہ ہم نے دوقومی نظریے کو خلیج بنگال کے اندر غرق کر دیا ہے۔

دوسرا نفاق ''عملی نفاق'' ہے کہ ہمارے اخلاق کا دیوالیہ نکل گیا ہے۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں وارد حدیث نبوی ﷺ ہے کہ: ''منافق کی تین نشانیاں ہیں۔ جب بولے، جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے تو خلاف ورزی کرے، جب امین بنایا جائے تو خیانت کرے۔'' دوسری حدیث میں ایک چوتھی نشانی بھی ہے کہ ''اگر جھگڑا ہو جائے تو فوراً آپے سے باہر ہو جائے۔'' اب ان چار علامات کے حوالے سے اپنے معاشرے کا جائزہ لیجئے۔ آپ دیکھیں گے کہ جو جتنا بڑا ہے، اتنا ہی جھوٹا ہے۔ جو جتنا بڑا ہے، اُتنا ہی وعدہ خلاف اور اُتنا ہی بڑا خائن ہے۔ یہاں اربوں اور کھربوں کے غبن ہوئے ہیں۔ ہمارے اعلیٰ افسروں نے ڈاکو بن کر اِس ملک کو لوٹا ہے۔ لڑائی جھگڑے اور قتل و غارت روزمرہ کا معمول بن چکا ہے۔ دو آدمی ذرا سا جھگڑا کریں تو فوراً چاقو یا پستول نکل آتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ انسانی جان کی قدروقیمت مکھی کی جان سے زیادہ نہیں ہے۔

تیسرا اور سب سے بڑا نفاق ہمارے ہاں دستور کا نفاق ہے۔ کسی ملک میں اہم ترین دستاویز اُس کا دستور ہوتا ہے۔ میں معذرت کے ساتھ یہ الفاظ استعمال کر رہا ہوں کہ پاکستان کا دستور منافقت کا پلندا ہے۔ منافق وہی ہوتا ہے نا جو ظاہر میں مسلمان ہو اور باطن میں کافر! اور پاکستان کے دستور کا معاملہ بھی بالکل ایسا ہی ہے۔ میں نے عرض کیا کہ اس ملک میں اسلامی نظام کے قیام کے لیے ''قرار دادِ مقاصد'' کو ٹھوکر مار کر رد کر دیا کہ اِس آرٹیکل کا دوسرے آرٹیکلز کے اوپر کوئی اثر نہیں ہو سکتا اور بات ختم ہو گئی۔ دفعہ 227 کے بڑے خوبصورت الفاظ ہیں: ''کوئی قانون نہیں بنایا جائے گا جو قرآن وسنت سے متصادم ہو۔'' لیکن اسے ''اسلامی نظریاتی کونسل'' کے ساتھ نتھی کر دیا گیا۔ اِس کونسل پر کروڑوں روپیہ صَرف ہُوا اور ان لوگوں نے بڑی محنت سے اچھی سے اچھی رپورٹیں تیار کیں، لیکن وہ رپورٹیں مختلف وزارتوں کے دفاتر میں جا کر dump ہو گئیں۔ کوئی وزارتِ مالیات کی الماریوں میں ہیں، کوئی وزارتِ داخلہ کی الماریوں میں ہیں اور آج تک کسی ایک پر بھی کوئی کارروائی نہیں ہوئی۔

ضیاء الحق صاحب نے ''فیڈرل شریعت کورٹ'' بنا کر ایک کارنامہ انجام دیا۔ اصولی اعتبار سے اسلام کے نفاذ کا یہ بہترین طریقہ ہے کہ ایک اعلیٰ عدالت ہو جسے یہ اختیار ہو کہ اگر وہ کسی شے کو قرآن وسنت کے خلاف پائے تو وہ فتویٰ دے دے کہ یہ خلافِ اسلام ہے، لیکن اِس فیڈرل شریعت کورٹ کو دو ہتھکڑیاں اور دو بیڑیاں ڈال دی گئیں کہ:

1۔ دستورِ پاکستان اس کے دائرۂ اختیار سے خارج ہے۔ گویا ہم دستور کے معاملے میں اسلام کی کوئی رہنمائی قبول کرنے کو تیار نہیں۔

2۔ عدلیہ کے طریق کار سے متعلق قوانین، ضابطۂ دیوانی اور ضابطۂ فوجداری اس کے دائرہ کار سے خارج ہیں:

3۔ دس سال تک مالی معاملات اس کے دائرہ کار سے خارج ہوں گے۔

4۔ عائلی قوانین بھی اس کے دائرہ اختیار سے خارج کر دیئے گئے۔

دس سال کی مدت گزرنے کے بعد وفاقی شرعی عدالت نے بڑا معرکۃ الآرا فیصلہ کیا کہ بینک انٹرسٹ کو سُود قرار دے دیا، لیکن حکومت کی طرف سے ایک اپیل دائر کروا دی گئی۔ پھر مہلت لی گئی۔ پھر جسٹس تقی عثمانی صاحب کو وہاں سے نکال باہر کیا گیا جو لوہے کا چنا تھا اور دو نئے جج لائے گئے، اور کہا جاتا ہے کہ اُن سے پہلے ہی یہ بات طے ہو گئی تھی کہ انہوں نے یہی کہنا ہے کہ بینک انٹرسٹ ابھی تک سود ثابت نہیں ہوا، لہٰذا شریعت کورٹ از سرِنو اس پر غور کرے۔

ملک کا انجام:

اِن سب کا حل کیا ہے؟ اس کا حل ہے ''توبہ''۔ سب سے پہلے انفرادی اور اجتماعی توبہ۔ سب سے پہلے ہمیں دُعا کرنی چاہیے، اور دُعا سب سے پہلے اپنے حکمرانوں کے لیے۔ وہ ہمیں پسند ہوں یا نہ ہوں، لیکن اس وقت اِس ملک کی تقدیر اُن کے ہاتھ میں ہے۔ تمام انسانوں کے دل اللہ تعالیٰ کی دو انگلیوں کے درمیان ہیں، وہ انہیں جدھر چاہے، پھیر دے۔ تو دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے حکمرانوں کے دلوں کو بدل دے۔ میں سمجھتا ہوں کہ وہ پاکستان کے مخلص ہیں، دشمن نہیں ہیں، لیکن اصل بات جو اُن کے سامنے نہیں ہے، وہ یہ ہے کہ پاکستان کی جڑ اور بنیاد اسلام کے سوا کوئی نہیں، اور اس کی بقا اور اِس کا استحکام سوائے اسلام کے کسی اور شے سے ممکن نہیں......اعاذنا اللہ من ذلک

اقول قولی ھذا و استغفر اللہ لی ولکم و لسائر المسلمین و المسلمات

❁❁❁

قائداعظم کے ایک معتمد ساتھی

نواب بہادر یار جنگ کا ایمان افروز خطاب

آل انڈیا مسلم لیگ کے دسمبر 1943ء کے اجلاس منعقدہ کراچی میں قائداعظم کی موجودگی میں کیے گئے اس خطاب میں پاکستان کے اساسی نظریہ، نظامِ تعلیم، اقتصادیات اور آئین و دستور کا قرآن وسنت کے تابع ہونے کا واشگاف الفاظ میں ذکر کیا گیا ہے۔ یہ بات واضح صاف لفظوں میں ظاہر کی گئی کہ مکروفریب وسیکولر سیاست کا بانیان سے دُور کا بھی واسطہ نہ تھا۔ یہ خطاب ایک طرف سیکولر سازشی گروہ کے روز افزوں پروپیگنڈے کا موثر جواب ہے تو دوسری طرف مسلم لیگی حکومت کو نفاذ اسلام کی بنیاد کی یاد دہانی کراتا ہے جس کے لیے یہ ملک حاصل کیا گیا۔ نیز اس خطاب سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ پاک سرزمین کو سیکولرازم اور مکروفریب کی آلائشوں سے نبٹنے کی ضرورت ہے جس کا واحد راستہ کتاب کی پیروی اور سنت کا اتباع ہے۔

برادرانِ اسلام! ملک کی مسلم لیگ کا اجلاس ہو چکا ہے حسب روایت قدیم میں آپ کو مخاطب کرنے کھڑا ہوں۔ اس اجلاس کو مسلم لیگ کی زندگی کا نیا باب تصور کرتا ہوں۔ اس کی منظور کردہ چھ قراردادوں میں سے تین میرے نزدیک زیادہ اہمیت رکھتی ہیں۔

(1) کونسل آف کمیشن کی قرارداد (2) پنج سالہ پروگرام بنانے والی کمیٹی کی قرارداد (3) الیکشن کے مطالبہ کی قرارداد۔ حضرات! پاکستان حاصل کرنا اتنا مشکل نہیں تھا۔ پاکستان کو پاکستان بنا کر قائم رکھنا مشکل ہے۔ آپ کے قائد نے ایک سے زیادہ مرتبہ اعادہ فرمایا ہے کہ مسلمان اپنی حکومتوں میں کسی دستور، قانون کو خود مرتب کرنے کا حق نہیں رکھتے۔ دستور مرتب متعین ان کے ہاتھ میں موجود ہے، وہ قرآن پاک ہے۔ کتنی صحیح نظر، کتنے صحیح فیصلے ہیں۔ اس حقیقت سے کون انکار کرسکتا ہے کہ ہم پاکستان اس لیے نہیں چاہتے کہ مسلمانوں کے لیے ایک ایسی جگہ حاصل کریں جہاں شیطان کا آلہ کار بن کر اسی پٹی پر عمل کریں جس پر آج ساری دُنیا کاربند ہے۔

ہمارے پاکستان کا اگر یہی مقصد ہے تو کم ازکم میں ایسے پاکستان کا حامی نہیں ہوں۔ اس امر کا انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ہم پاکستان اس لیے چاہتے ہیں کہ یہاں قرآنی نظام حکومت ہو۔ یہ ایک انقلاب ہوگا، یہ ایک نشاۃ ثانیہ ہوگی۔ یہ حیات نو ہوگی، اس میں خوابیدہ تصوراتِ اسلامی جاگیں گے، حیات اسلامی ایک مرتبہ پھر کروٹ لے گی۔ پلاننگ کمیٹی آپ کے لیے جو دستوری سیاسی نظام مرتب کرے گی اس کی بنیاد اگر کتاب وسنت پر نہیں تو وہ شیطانی سیاست ہے۔ ہم ایسی سیاست سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔ برادران عزیز! اس پلاننگ کمیٹی کا مقصد ہے کہ مسلمانانِ ہند کو عموماً اور مسلمانانِ پاکستان کو خصوصاً پاکستان میں رہنے کے قابل بنائے اور پاکستان کے لیے اسلامی نقطۂ نظر سے معاشرتی تعلیم، معاشی، سیاسی نظام عمل مرتب کرے۔ دُنیا جانتی ہے کہ دنیا کا کوئی عمل انقلاب عملی صورت اختیار نہیں کرسکتا جب تک پہلے ذہنی حیثیت سے مکمل نہ ہو جائے۔ تاریخ عالم گواہی دیتی ہے کہ ہر انقلاب کو عملی صورت اختیار کرنے سے پہلے ذہنی انقلاب سے گزرنا ہوتا ہے۔ تاریخ انقلاب میں صرف محمدی انقلاب ایک ایسا انقلاب تھا جس نے 30 برس کی قلیل مدت میں دونوں منزلوں کو طے کرلیا۔

ذہنی انقلاب کے پیدا کرنے کی ایک صورت تو اجتماعات ہیں اور محفلیں ہیں لیکن انقلاب کو وجود میں لانے کا مستقلاً اور بنیادی ذریعہ صحیح اور موثر تعلیمی نظام کی ترویج ہے۔ ہندوستان کی سب سے بڑی بدبختی یہی تھی کہ یہاں کا تعلیمی نظام اس قوم نے مرتب کیا جو نہ صرف ہندوستان کی سرزمین پر قابض ہونا چاہتی تھی بلکہ اس کے معاشی ذرائع پر بھی قابض ہونا چاہتی تھی بلکہ اس کے آس پاس کے ذہن وفکر پر بھی اپنا قبضہ جمانا چاہتی تھی۔ اس مقصد کے لیے اس نے ہماری تاریخ کو اس انداز میں ہمارے سامنے پیش کیا جس نے ہم میں خود فراموشی کو بڑھایا اور خود اعتمادی کو گھٹایا جس نے ہماری مشرقی خصوصیات کو فنا کر دیا اور ہمیں مغربی غلامی کی زنجیروں میں جکڑ دیا۔ ضرورت ہے مستقبل کے لائحہ عمل میں سب سے پہلا مقام تعلیم کو دیا جائے۔ ایسا تعلیمی نظام جس کی بنیاد کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ پر ہو۔ جس تعلیمی نظام سے گزرنے کے بعد بچہ اسلامی نظام میں نشوونما پائے تاکہ اپنی عملی زندگی میں ملت اسلامیہ کی صحیح خدمت سرانجام دے۔ میں اعلیٰ تعلیم کے مقابلے میں ابتدائی تعلیم کو زیادہ اہمیت دیتا ہوں۔ ابتدائی تعلیم بنیاد ہے جس کی مضبوطی پر عمارت کے استحکام کا انحصار ہے۔ یاد رکھو! قوم کی بدعملی صرف اخلاقی پستی ہی پیدا نہیں کرتی بلکہ اس قوم کی سیاسی غلامی اس کا سب سے بڑا سبب ہے۔ میرے عزیزو! دوسرا اہم مسئلہ جو اس کمیٹی کے دائرہ کار میں ہے وہ ”آپ کا معاشی نظام ہے۔“ آپ جانتے ہیں کہ دُنیا کی موجودہ کشمکش سراسر معاشی ہے جو لڑائی اس وقت لڑی جارہی ہے اس کے اسباب پر اگر گہری نظر ڈالی جائے تو معاش اور صرف معاش ہی اس کی تہہ میں کارفرما ہے۔

اسلام کا معاشی نظام

اسلام کا آفتاب اس وقت طلوع ہوا جب ایک طرف دنیا میں سیم وزر کے فلک بوس پہاڑ تھے۔ دوسری طرف بھوک وافلاس کے عمیق غار تھے، نام نہاد پیشواؤں نے مذہب کو آلہ کار بنا کر بنی نوع انسانی کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ خودساختہ اُصولوں کے تحت اعلیٰ اور ادنیٰ کے درمیان امتیاز پیدا کر دیا، شہنشاہیت اور سرمایہ داری کا دور دورہ تھا۔ حضرت محمد ﷺ نے جنبشِ لب ”لا الٰہ الا اللہ“ کہہ کر:

(1) ہلالِ حق سے باطل کی ساری عمارتوں کو مسمار کر دیا۔ انسانیت کی سطح ایک کر دی۔

(2) امتناع سود سے سرمایہ داری کی جڑ کاٹ دی۔

(3) وراثت کے قانون سے دولت جمع ہونے کے راستے روک دیئے۔

(4) زکوٰۃ نے اس دولت کو جو کسی نہ کسی طرح ان موانع کی موجودگی میں جمع ہو جاتی تھی، تقسیم کر دیا۔

(5) ارتکازِ دولت اور ذخیرہ اندوزی کا خاتمہ کر دیا۔

(6) جمع مال کی مذمت اور انفاق فی سبیل اللہ کی تلقین کے ذریعے مدینہ منورہ کو (عہد رسالت کے آخری ایام میں) مسکین کے وجود سے خالی کر دیا۔

(7) ''الارض للہ'' کا قرآنی پیغام سنا کر نبی امین ﷺ نے زمین کی ملکیت کو خدا اور اس کے خلیفہ یعنی اسلامی ریاست کے لیے مشترک قرار دیا، کسی فردِ واحد کو یہ حق نہ رہا کہ ان کے ذریعے دولت کے ڈھیر جمع کر لے۔

(8) نہر، دریا اور معدنیات سب ریاست اسلامیہ کی مشترکہ قرار دے کر غریب کو حصہ دار بنایا۔ کیا اس معاشی نظام کی موجودگی میں کسی اور معاشی نظام کی طرف دیکھنے کی ضرورت ہے؟

برادرانِ ملت! یاد رکھئے پلاننگ کمیٹی کا تقرر آپ ﷺ کی سیاسی زندگی کی نشاۃِ ثانیہ ہے۔ وہ قوم جو تعلیمی، معاشی حیثیت سے آزاد نہ ہو سیاسی حیثیت سے بھی آزاد نہیں ہو سکتی۔ تعلیمی اور معاشی غلامی کے ساتھ سیاسی آزادی غلامی کی بدترین قسم ہے۔

آپ کی توجہ خصوصیت سے اس امر کی طرف مبذول کرتا ہوں کہ پاکستان کا مطالبہ کر کے اگر ایسا ملک چاہتے ہیں جس میں پاک لوگ رہتے ہیں تو میرے دوستو! یاد رکھو! جسمانی ناپاکی دور ہو سکتی ہے اور آسانی کے ساتھ دور ہو سکتی ہے لیکن ذہن وفکر اور قول وعمل کی ناپاکی وہ گندگی ہے جس کو دور کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام جیسی ہستیاں بھیجیں۔ وہ گندگی اس وقت دور ہو سکتی ہے جب نبی کی اتباع کی جائے۔ کیا ان ناپاکیوں میں آلودہ ہو کر جھوٹ کو اپنا شعار بنا کر، مکروفریب میں مبتلا ہو کر اور ظلم واستبداد کو جاری رکھ کر ہم دعویٰ کر سکتے ہیں کہ ہم پاک ہیں؟ اگر ان گندگیوں سے پاک نہ ہوئے اور ہندوستان کو خودمختار حکومت بھی مل گئی تو کیا وہ پاکستان کہلانے کی مستحق ہو گی؟ پاک ہونے کی کوشش کو آج سے شروع کرو اور یاد رکھو! کہ نہ صرف پاکستان میں رہنے کے لیے پاک بننے کی ضرورت ہے بلکہ پاکستان کے حصول کے لیے بھی پاک بننے کی ضرورت ہے۔

❁❁❁

پاکستان ہمارا ہے

مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

کفر سے لے کر آزادیٔ ایماں کا عَلَم لہرایا ہے
ہم نے تیرے دین کی خاطر پاکستان بنایا ہے
رنگ برنگے پھولوں سے ہم اس گلشن کو سجائیں گے
چپہ چپہ گوشہ گوشہ باغ و بہار بنائیں گے
محنت اور لگن کے پرچم دھرتی پہ لہرائیں گے
ثمرہ دیس سے اُلفت کا ہم دُنیا کو دکھلائیں گے
کفر سے لے کر آزادی ایماں کا عَلَم لہرایا ہے
ہم نے تیرے دین کی خاطر پاکستان بنایا ہے
ظلم و ستم کا دور خدا کی دھرتی سے ہٹ جائے گا
عدل و وفا کا دور یہاں پر آئے گا اور آئے گا
اُلفت اور محبت کا پیغام ہمیں سنوائے گا
کینہ بغض و عداوت کا ہر نام و نشان مٹ جائے گا
کفر سے لے کر آزادی ایماں کا عَلَم لہرایا ہے
ہم نے تیرے دین کی خاطر پاکستان بنایا ہے
پاکستان کا آئین بس آئین خدا ہے کتاب اللہ
ملت کا دستور اساسی کیا ہے؟ حیات رسول اللہ
ملک کا ہے مقصود بناء احیاء دین خلیل اللہ
پاکستان کا مطلب کیا ہے لا الٰہ الا اللہ
کفر سے لے کر آزادی ایماں کا عَلَم لہرایا ہے
ہم نے تیرے دین کی خاطر پاکستان بنایا ہے
ہم نے کیے تھے رب جہاں سے یاد کرو عہد و پیمان
قوم سے وعدے ہم نے کیے تھے تم کو ملے گی حفظ وامان
لائیں گے ہم عہد وفد اور عہد حیاء، عہد ایمان
وردزباں تھا قوم کے جس دن لے کے رہیں گے پاکستان
کفر سے لے کر آزادی ایماں کا عَلَم لہرایا ہے
ہم نے تیرے دین کی خاطر پاکستان بنایا ہے
اس کا جھنڈا سبز ہلالی سرحد پہ لہرایا ہے
قوم کی عزت اور بلندی دشمن کو دکھلاتا ہے
اپنے ملک کی آزادی کا مژدہ بھی سنواتا ہے
فوج کی شان و شوکت کے ہر روز ترانے گاتا ہے
کفر سے لے کر آزادی ایماں کا عَلَم لہرایا ہے
ہم نے تیرے دین کی خاطر پاکستان بنایا ہے
سود کی لعنت ختم کریں گے پاک معیشت لائیں گے
رشوت، چوری، جھوٹ مٹا کر حق و صداقت لائیں گے
شام فریبی دور کریں گے صبح حقیقت لائیں گے
دجل کا آئیں توڑ کے عارف دین و شریعت لائیں گے
کفر سے لے کر آزادی ایماں کا عَلَم لہرایا ہے
ہم نے تیرے دین کی خاطر پاکستان بنایا ہے

(بشکریہ کتاب: ''پاکستان کی قدر کریں!'')

آج ملک میں تحریک پاکستان جیسی فضا کی ضرورت ہے

صاحبزادہ خورشید احمد گیلانی

زیرِ نظر مضمون خورشید احمد گیلانی مرحوم و مغفور نے 25 برس پہلے لکھا تھا۔ مضمون نگار نے جن تلخ حقائق کا ذکر کیا ہے موجودہ حالات میں وہ حقائق تلخ تر بلکہ زہر آلود ہو گئے ہیں۔ آخر میں مرحوم نے استفہامیہ انداز میں ذکر کیا ہے کہ کسی سیاہ رو رقیب نے ہماری جڑ پر تیشہ تو نہیں رکھ دیا۔ ہماری رائے میں وہ سیاہ رو رقیب ہمارے اندر موجود وہ خدا بے زار طبقہ ہے جو مغربی تہذیب اور مغربی معاشرت کو اِس نظریاتی مملکت میں گھسیٹ لایا ہے جو درحقیقت اللہ اور رسول کے عطا کردہ نظامِ عدلِ اجتماعی کو دنیا کے سامنے لانے کے لیے وجود میں آئی تھی۔

قیامِ پاکستان سے لے کر تا امروز جتنے بھی مہ و سال اور شب و روز گزرے ان میں بلاشبہ کئی ایک آفات آئیں سماوی بھی اور ارضی بھی، زلزلے آئے، سیلاب آئے، قحط کے آثار پیدا ہوئے، کساد بازاری حد سے بڑھی، افراطِ زر نے حملہ کیا، پیداواری اہداف ادھورے رہ گئے اور ظاہر ہے ان سب سے بہت نقصان ہوا مگر یہ بات بلاخوفِ تردید کہی جا سکتی ہے کہ اوّل تو یہ نقصانات کم تھے اور بہت بھی ہوتے تو ان کا ازالہ ممکن ہے، مگر سب سے زیادہ نقصان ملک اور اہلِ ملک کو نسلی، لسانی، علاقائی اور فرقہ وارانہ کشمکش اور طرزِ سیاست سے پہنچا جس کا ازالہ بدقسمتی سے تا ایں دم نہیں ہو رہا، ملک دولخت ہوا تو انہی نفرتوں کے باعث، سیاسی عدم استحکام تو اسی طرزِ سیاست کی وجہ سے، معاشی دیوالیہ پن ہے تو اسی تقسیم در تقسیم سے، دیہی اور شہر کا سکون برباد ہوا ہے تو انہی سوچوں کے نتیجے میں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ پوری قوم اگر گم کردہ راہ اور ناآشنائے منزل ہو کر رہ گئی ہے تو یہ سارا شاخسانہ ہے انہی نعمتوں کا!

45 برس کوئی معمولی عمر نہیں ہماری آزادی کی، ہمارے ملک کی اور خود ہماری قوم کی، قانونِ فطرت کے مطابق عمر بڑھنے کے ساتھ ساتھ آدمی پختہ کار ہوتا ہے مگر ہم عہدِ طفولیت سے باہر نہیں نکل سکے، اس عمر میں آدمی سنجیدہ ہو جاتا ہے اور ہم روز بروز کھلنڈرے ہوتے جا رہے ہیں، وقت گزرنے کے ساتھ انسان نفع و نقصان کی تمیز سیکھ جاتا ہے مگر ہم ہر لمحے سود و زیاں سے بے خبر اور بے نیاز ہوتے جا رہے ہیں، آج سے 45 سال پہلے ہم یا ہمارے بڑے ایسے ہرگز نہیں تھے۔ ہمیں یا ہمارے بزرگوں کو کامل شعور تھا کہ ذاتی اور قومی مفاد کی کیا حدیں ہیں؟ ہمارا اصل دشمن کیا ہے؟ ہماری ترقی کا راز کس چیز میں پنہاں ہے؟ زمانے کی ہوا اپنے دوش پر کیا پیغام لیے پھرتی ہے؟ زمانے میں پنپنے کا گر کیا ہے؟ ملی تشخص کی کیا قدر و قیمت ہے؟ اور آج ہم کیا کر رہے ہیں اور ہمارے سامنے کیا ہو رہا ہے؟ اس کے تصور سے ہی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ سیاست نیلام گھر، معیشت کالا دھندا، معاشرت دھما چوکڑی اور منبر و محراب میدانِ جنگ بن کر رہ گئے ہیں، کسی دل جلے نے تو کہا تھا۔

یادِ ماضی عذاب ہے یا رب
چھین لے مجھ سے حافظہ میرا

مگر ہمارے لیے تو کچھ وجہ سکون کوئی چیز رہ گئی ہے تو وہ یادِ ماضی ہے، جب برصغیر ہند میں ہم مسلمان فقط مسلمان تھے۔ نیلے پیلے اور اودے ہرے فرقے آتش بدہن اور تیغ بکف نہیں تھے، ہم ایک قوم تھے۔ سندھی پنجابی اور مہاجر پٹھان کی چپقلشوں سے آزاد، ہم دشمن کے مدمقابل متحد تھے۔ ہمارے اندر کوئی میر جعفر اور صادق راہ نہیں پا سکتا تھا۔ ہم اپنی آزادی، استقلال اور تشخص کے علمبردار تھے۔ کسی را، خاد، سی آئی اے، کے جی بی اور موساد کی ''ایجنٹی'' سے واقف و آگاہ نہ تھے۔ ہم ایک دوسرے کو دیکھ دیکھ کر خوش ہوتے اور جیتے تھے۔ اپنی ہی دیواروں سے خوفزدہ اور اپنے ہی ہم وطنوں سے بیگانہ نہ تھے۔

یادِ ماضی ہی ایک بار پھر اپنے وطن اور اپنی آزادی پر اعتماد پیدا کرتی ہے ورنہ حال سچ ہے بہت ''برا حال'' ہے۔ آج ہماری چہار دیواریاں ہماری جاسوس، ہماری گلیاں ہی ہماری قتل گاہیں اور ہمارے بھائی ہی ہمارے خون کے پیاسے بن کر رہ گئے ہیں۔ اس خوفناک اور رنجیدہ صورتِ حال کے خاتمے کے لیے اب نہ کمیشن کارآمد ہیں اور نہ کمیٹیاں، نہ نیا طرزِ انتخاب اور نہ نیا سوشل کنٹریکٹ، اور نہ نئے حکمران اور نہ ہی نئے نمائندے بلکہ خدا لگتی بات یہ ہے کہ تحریکِ پاکستان جیسی فضا دوبارہ پیدا کر کے ہم اپنا اور اپنی جان اور ناموس کا تحفظ کر سکتے ہیں۔ اپنے ملک اور اس کی آزادی کو بچا سکتے ہیں، اپنے تشخص اور اپنے نظریۂ حیات کو باقی اور قائم رکھ سکتے ہیں، تحریکِ پاکستان کی فضا کیا تھی؟ کیسی تھی؟ جس کی آرزو پیغامِ حیات کا درجہ اختیار کرتی جا رہی ہے۔ اس کی تین نمایاں خصوصیات ہیں، جو آج پھر ہمارے کردار و عمل کا حصہ بن جائیں تو ہمارا سلگتا اور کراہتا ملک گہوارۂ امن و محبت بن سکتا ہے۔

1۔ حقیقی دشمن کی شناخت

تحریکِ پاکستان کی فضا اپنے دامن میں جو برکات لے کر نمودار ہوئی اس میں ایک برکت یہ تھی کہ ہمیں بحیثیت قوم اپنے دوست اور دشمن کی حقیقی تمیز اور شناخت نصیب ہوئی۔ ہمیں معلوم ہوا کہ انگریز ہمارا حقیقی دشمن ہے جس نے ہم سے حکومت چھینی، ہماری آزادی سلب کی، ہمارے بزرگوں کو نشانہ تعزیر و تعذیب بنایا۔ ہماری تہذیب کو تضحیک بنا کر رکھ دیا اور ہمارے دل و ضمیر کو ''خریدنی و فروختنی'' شے سمجھ کر پورے خطے کو بازارِ تجارت بنا دیا اور اس کا آلہ کار ہندو ٹھہرا جو ہزار برس تک ''وھم صاغرون'' بن کر رہا۔ سو ہم یک جان اور یک جہت ہو کر اس کے خلاف ڈٹ گئے۔ ہم بے شمار محاذوں پر تھے مگر دل ایک ساتھ دھڑکتے تھے، بنگال و بہار، مدراس و بمبئی، لاہور و پشاور کی کوئی قید اور تمیز نہ رہی۔ سندھ اور پنجاب کی روحیں ایک قالب میں سما گئیں۔ سنی و شیعہ ایک راہ کے راہی اور مسافر بن گئے۔ ذات پات کے بکھیڑے قصۂ پارینہ ہو کر رہ گئے۔ سچ ہے بھیڑیا سامنے ہو تو بکریاں اپنی نسل اور زبان بھول جاتی ہیں صرف اپنی حفاظت کا منشور ہی انہیں ازبر ہوتا ہے، اور ہاتھ پاؤں مارتی ہیں۔

جونہی وہ فضا مدہم ہوئی تو ہم نے اپنے دوست اور دشمن کی فہرست بدل ڈالی۔ اور ہم اپنے طور پر یہ طے کر بیٹھے کہ فلاں فلاں ہمارا دشمن ہے اور ہمیں اس کے خلاف صف آراء ہونا ہے۔ سنی، شیعہ کو اپنا حریف اور سندھی، پنجابی کو اپنا حریف اور سندھی، پنجابی کو اپنا دشمن سمجھ بیٹھا،

کلوخ اندازی شروع ہوگئی، پیپلز پارٹی، مسلم لیگ کو اور جماعت اسلامی، اے این پی کو اپنا قاتل سمجھ بیٹھی اور تیر برسانے کی مشق شروع کر دی۔ بلوچ ناراض ہوئے انہیں منایا تو مہاجر منہ بسور کر بیٹھ گئے۔ انہیں راضی کرنے کا مرحلہ درپیش تھا کہ پٹھان پیٹھ پھیر کر دوسری طرف ہو گئے۔ گویا ہم پیدا ہی روٹھنے اور لڑنے کے لیے ہوئے ہیں، اپنی انا کی لے تیز کرتے وقت یہ بھول گئے کہ کل کو ہر شخص خود اپنے آپ سے بے زار ہو جائے گا، اور یہ بے زاری پوری قوم کو خودکشی کی اندھی غار میں لے جائے گی، آج پلٹ کر نہ دیکھنے والے کل چیخ چیخ کر مدد کو بلائیں گے تو کوئی منہ پھیر کر دیکھنے والا نہیں ہوگا کہ ہر ایک اپنی انا کی ٹکٹکی پر بندھا ہوا ہوگا اور ہل جل نہیں سکے گا، آج پھر ہمیں نئے سرے سے اپنے حقیقی دشمن کی شناخت کرنی ہے، ہم جنہیں دشمن سمجھ بیٹھے ہیں، وہ دشمن نہیں ہیں ہمارا اصل دشمن وہ ہے جو ہم سے ہمارا نظریۂ حیات چھین لینا چاہتا ہے۔ جو ہمارے وطن عزیز کو اپنی کالونی کا درجہ دینا چاہتا ہے۔ جو ہماری آزادی و استقلال کے درپے ہے اور جو ہمیں بھکاری اور گداگر کے روپ میں دیکھنا چاہتا ہے، اور یہ دشمن کسی کی آنکھ سے اوجھل اور کسی کے علم سے باہر نہیں اسے سب دیکھتے اور جانتے ہیں فقط ''پہچاننے'' کی ضرورت ہے۔

2۔ بتانِ رنگ و بو کی شکست

تحریک پاکستان کا یہ فیضان کوئی بھولے نہیں بھول سکتا کہ ہم اس وقت ہر طرح کے شرک سے پاک ہو گئے تھے اور ہر خانہ زاد تقسیم سے مبرا و معرا، رنگ و بو کی ساری دبیز تہیں ہمارے دل و دماغ سے اتر گئیں تھیں اور ہم فقط مسلمان اور پاکستانی بن گئے تھے۔ نہ کوئی پنجابی اور نہ کوئی پختون، حتیٰ کہ ان علاقوں کے لوگ بھی ہمارے دوش بدوش تھے جو حق الیقین کی حد تک آگاہ تھے کہ پاکستان بن بھی گیا تو ہم بھارت ہی کا حصہ رہیں گے پھر بھی وہ دوقومی نظریہ کے حامی و ہمنوا بنے رہے۔ آج ہمارے ہر صوبے کو معلوم ہے کہ مجھے پاکستان کے ساتھ رہنا ہے لیکن کشاکش ہے کہ روز بروز بڑھتی جا رہی ہے، فاصلے ہیں کہ دن بدن وسیع ہوتے جا رہے ہیں، خلیج ہے کہ لحظہ بہ لحظہ پھیلتی جا رہی ہے، رابطے ہیں کہ برابر سکڑتے جا رہے ہیں، سوچیں ہیں کہ ساعت بہ ساعت سمٹتی جا رہی ہیں، محبتیں ہیں کہ ہر گھڑی گھٹتی جا رہی ہیں۔

تحریک پاکستان میں ہم سب کلمہ توحید کی بنیاد پر مشترک نفع و نقصان کے حامل اور اقتدار کے علمبردار تھے اس لیے ذہنی فاصلے، لسانی فرق، علاقائی بعد، اور نسلی مغائرت ہمارے درمیان پردہ نہ کھینچ سکے اور آج ہم پھر سے عقیدہ توحید فراموش کر کے بتان رنگ و بو کے پجاری بن گئے ہیں۔ ہم شائد اس خطرے سے آگاہ نہیں کہ رنگ کی پوجا کہیں بھنگ ہی نہ ڈال دے اور ہم بے رنگ ہو کر رہ جائیں اور ہماری بوباس ہی باقی نہ رہے۔

مانا کہ ہمارے صوبوں کی زبان مختلف ہے لیکن یہ بھی تو سوچیں زبان بولنے کے لیے ہوتی ہے، کھینچنے کے لیے نہیں ہوتی۔ تسلیم کہ ہر ایک کا صوبہ الگ ہے مگر کیا ہمارا قبلہ بھی الگ ہو گیا ہے؟ بجا کہ ہماری نسل جدا جدا ہے لیکن کیا ہماری اصل بھی جدا جدا ہو گئی ہے؟ نہیں ہماری اصل ایک ہے البتہ پوری دنیا سے جدا، مختلف اور منفرد ؏

خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمیؐ

3۔ مذہب......ملی تشخص کا سرچشمہ

تحریک پاکستان میں مذہب، اسلام، ہماری قومیت کی اساس و بنیاد قرار پایا، اور مقناطیس بن کر سندھ، پنجاب، سرحد، بلوچستان، بنگال کو اپنے ساتھ چمٹا لیا۔ جو انسانی خوبیاں ہیں مذہب کے حوالے سے ہمارے اندر پیدا ہو گئیں، اتحاد فکر و عمل، اخوت، ہمدردی، ایثار، ضبط و ربط، یہ سب اوصاف ہماری زندگی کا معمول بن گئے۔ کوئی نظریاتی تفریق اور علاقائی تقسیم ہمارے اندر باقی نہ رہی، اور ہمیں دور سے دیکھنے والا پکار اٹھتا تھا کہ یہ شخص ''قوم رسول ہاشمیؐ'' کا ایک فرد ہے۔ دین و مذہب ہی نے ہمیں اتنی قوت فراہم کی اور پختگی دی کہ ہم بیک وقت ایک جبار طاقت (انگریز) اور دوسری مکار قوم (ہندو) سے بھڑ گئے اور وہ دونوں مل کر ہمارے قدم نہ اکھاڑ سکے۔ خالص نظریاتی بنیاد پر ایک الگ وطن وجود میں آ گیا۔ ہم سب کے درمیان واحد قدر مشترک اور نقطہ اتصال مذہب قرار پایا۔ آج یہی مذہب ہمارے درمیان سب سے زیادہ تفرقہ و انتشار کا موجب بن کر رہ گیا ہے، جس مذہب نے راس کماری سے پشاور تک کے دلوں کو ایک دھڑکن دے دی تھی آج اسی کے حوالے سے مسجد و امام بارگاہ ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہیں، جس مذہب کے زور پر ہم انگریز سے لڑ اور ہندو سے اڑ گئے تھے آج اسی کی آڑ میں ایک دوسرے سے لڑائی مول لے رکھی ہے۔ ہم نے انگریز سے اس لیے آزادی چاہی کہ وہ ''لڑاؤ اور حکومت کرو'' کے اصول پر عمل پیرا تھا اور اس سے ہمیں جان و مال کا خطرہ تھا آج خود ہمیں ایک دوسرے سے جان و مال کا ڈر لاحق ہے۔ ہم ہندو سے اس لیے صلح نہ کر سکے کہ ہماری عبادت گاہوں کی حفاظت کا مسئلہ درپیش تھا مگر آج مختلف مسلکوں کی عبادت گاہیں اس دور سے زیادہ غیر محفوظ ہو کر رہ گئی ہیں، پہلے غیر مسلم ہماری مسجدوں پر حملہ آور ہوتے تھے اور آج کلمہ گو گھات لگا کر بیٹھے ہیں۔

تحریک پاکستان میں قائداعظمؒ برملا خود کو صرف ''مسلمان'' کہتے تھے اور آج مسلمان کہلانا خطرے سے خالی نہیں جب تک سنی شیعہ کی پخ نہ لگائی جائے جان کی امان پانا مشکل ہے۔

تحریک پاکستان میں بریلی اور لکھنؤ ہمدوش اور بدایوں و تھانہ بھون ہم خیال تھے اور آج ایک شہر کا ایک ہی کوچہ ایک دوسرے کے لیے ''کوفہ'' بن کر رہ گیا ہے۔

ہم نے قیام پاکستان کی جنگ توپ اور تلوار کے زور پر نہیں اتحاد و ایثار کے بل پر جیتی تھی، آج ہم استحکام پاکستان کی بازی خدانخواستہ ہار رہے ہیں باہمی افتراق و انتشار کی وجہ سے ہار رہے ہیں۔

اس لیے آج پھر عہد رفتہ کو آواز دینے کی ضرورت ہے۔ اپنا چہرہ آئینہ ماضی میں دیکھنے کی ضرورت ہے، اپنی شناخت اپنی اساس میں ڈھونڈھنے کی ضرورت ہے، اگر چودہ اگست کی تاریخ پلٹ پلٹ کر ہر سال آ سکتی ہے تو ہم ویسا ماحول دوبارہ بھی پیدا کر سکتے، جو چیز ایک بار رو بہ عمل آئے اس کا مطلب ہے وہ دہرائی جا سکتی ہے کوئی عمل ناممکن ہو تو پہلی بار بھی وقوع پذیر نہیں ہو سکتا۔

ہم نے 70 برس پہلے اپنے حقیقی دشمن کو پہچان لیا تھا تو آج بھی اسے پہچان سکتے ہیں خواہ کوئی جامہ پہن لے اور کوئی روپ دھار کر آ جائے، ضرورت عقابی نگاہ پیدا کرنے کی ہے۔

ہم نے نصف صدی قبل بتان رنگ و بو کو پاش پاش کر دیا تھا تو آج وہ بت مزید عمر رسیدہ ہو کر کمزور ہو گئے ہیں۔ لازم ہے کہ تیشہ ابراہیمیؑ ہاتھ میں ہو۔

ہم نے ایک نسل پیشتر مذہب کو ملی تشخص کے لیے سرچشمہ بنایا تھا۔ آج بھی وہ سوکھ نہیں گیا صرف نخل تمنا ہری رکھنے کی بات ہے، کہنے والے کہتے ہیں جڑ زمین کے سینے میں پیوست رہے تو ہزار خزاں کے بعد بھی کبھی نہ کبھی اگ پڑتی ہے۔ ہم چاروں طرف نظر دوڑا کر دیکھیں کسی سیاہ رو رقیب نے ہماری جڑ پر تو تیشہ نہیں رکھ دیا تاکہ وہ کٹ جائے اور ہم سڑ کر رہ جائیں۔

پھر ان داستانوں کی ضرورت ہے

عامرہ احسان
amira.pk@gmail.com

یادش بخیر! 23 مارچ کا دن تادیر یوم استقلال کہلاتا رہا۔ اور پورے عزم و استقلال سے دو قومی نظریے کے تناظر میں منایا جاتا رہا۔ استقلال لغت کے اعتبار سے قوم کی خود مختاری' استحکام' مستقل مزاجی کے معنی رکھتا ہے۔ بدلتے حالات میں شاید اس لفظ سے قومی احوال کی مناسبت کمزور ہوتی چلی گئی اور خاموشی سے دبے پاؤں جہاں اور بہت کچھ بدلا، یہ بھی یوم پاکستان ہو گیا۔ ملک دولخت ہوا اور یہ رہا سہا یوم پاکستان! دو قومی نظریہ' سیکولر عیش کوش طبقے کو ایک آنکھ نہ بھاتا تھا۔ اسے ضیاء الحق کی اختراع قرار دے کر منظر سے ہٹا دیا گیا۔ قائد اعظم کی تقاریر چھانٹنی بہت مشکل تھیں کہ ہر تقریر میں اسلام کا مضبوط' دوٹوک حوالہ کسی نہ کسی پیرائے میں آ ہی جاتا تھا۔ حتیٰ کہ 1944 میں (8 مارچ) مسلم علی گڑھ یونیورسٹی میں وہ مشہور و معروف بیانیہ کیسے چھپایا جا سکتا ہے جس کا عنوان دو قومی نظریہ ہی بنتا ہے۔ طلبہ سے خطاب کرتے ہوئے کہتے ہیں: ''پاکستان اسی دن وجود میں آ گیا تھا جس دن ہندوستان میں پہلے ہندو نے اسلام قبول کیا تھا۔ یہ اس زمانے کی بات ہے جب یہاں مسلمانوں کی حکومت بھی قائم نہیں ہوئی تھی۔ مسلمانوں کی قومیت کی بنیاد کلمہ' توحید ہے نہ کہ وطن اور نسل۔ ہندوستان کا پہلا فرد جب مسلمان ہوا تو وہ پہلی قوم کا فرد نہیں رہا۔ وہ ایک جداگانہ قوم کا فرد ہو گیا۔ ہندوستان میں ایک نئی قوم وجود میں آ گئی''۔ یہی علیحدہ قومیت کا تصور قرار داد کی صورت میں ڈھلا اور مطالبہ پاکستان کی بنیاد بنا۔ علامہ اقبال کے ہاں پاکستان اور اسلام کے حوالے سے قطعیت بھی اتنی ہی محکم تھی۔ مسلمان ہونے کی حیثیت سے انگریز کی غلامی کے بند توڑنا اور اس کے اقتدار کا خاتمہ کرنا ہمارا فرض ہے۔ اور اس آزادی سے ہمارا مقصد یہی نہیں کہ ہم آزاد ہو جائیں بلکہ ہمارا اول مقصد یہ ہے کہ اسلام قائم رہے اور مسلمان طاقتور بن جائے۔ اس لیے مسلمان ایسی کسی حکومت کے قیام میں مددگار نہیں ہو سکتا جس کی بنیادیں انہی اصولوں پر استوار ہوں جن پر انگریزی حکومت قائم ہے۔ ایک باطل کو مٹا کر دوسرے باطل کو قائم کرنا چہ معنی دارد؟...... اگر آزادی' ہند کا نتیجہ یہ ہو کہ جیسا دارالکفر ہے، ویسا ہی رہے یا اس سے بدتر بن جائے تو مسلمان ایسی آزادی' وطن پر ہزار مرتبہ لعنت بھیجتا ہے۔ ایسی آزادی کی راہ میں لکھنا، بولنا، روپیہ صرف کرنا، لاٹھیاں کھانا، جیل جانا، گولی کا نشانہ بننا سب کچھ حرام اور قطعی حرام سمجھتا ہے۔' (مضامین اقبال: مرتبہ تصدق حسین تاج' جغرافیائی حدود اور مسلمان) بانیان پاکستان کے بیانیے سے زیادہ مستند بیانیہ کہاں سے لائیں گے!

نام، جغرافیائی حدود، ماہ و سال بدلنا یہ پاکستان (جو ہمارے بزرگوں کا خواب اور مطمع نظر تھا) ہجرت مدینہ سے چلتا ہوا ہندوستان پہنچا۔ اسلام کی خوشبو رنگ روپ والا پاک ملک۔ جس اسلام نے پاکستان کے جسد خاکی میں روح پھونکی اور اسے وجود بخشا۔ اسے ہم تک پہنچانے والے کریم نبی ﷺ اور جانثار صحابہؓ سے لے کر محمد بن قاسمؒ کے لشکر تھے۔ طویل تاریخ میں باطل سے نبرد آزما، انگریز استعمار کے غلبے کے خلاف سینہ سپر ہونے والے ماؤں کے بے بہا لعل و گہر۔ دہلی میں ہر درخت پر پھانسی دے کر لٹکا دیئے جانے والے علمائے حق، سید احمد شہیدؒ، شاہ اسماعیلؒ شہید کا قافلہ کتنی بے شمار قربانیوں کی تاریخ لیے ہوئے ہے۔ سالہا سال کی جدوجہد کے بعد بانی' پاکستان کے خون کی آخری رمق نچوڑ کر، اقبال کے دیدۂ تر کی بے خوابیاں، امنگیں، آرزوئیں یکجا ہوئیں تو پاکستان بنا۔ شہدائے ہجرت کا خون، عفت و عصمت بچاتی بیٹیوں کی قربانیاں کس دن کے لیے تھیں؟ جینز پہن کر مغربی ایجنڈوں پر تھرکنے کے لیے؟ این جی اوز کے مقاصد کے لیے کام کر کے جیبیں گرم کرنے کے لیے؟ تاریخ مسخ نہیں کی جا سکتی۔ یہ قربانیاں صرف ایک نعرے کے لیے دی گئیں ''پاکستان کا مطلب کیا: لا الہ الا اللہ''

آج ہم اس بھاری امانت کے ذمہ دار ہیں۔ زندگی کے ہر دائرے میں اسلام کی بالادستی، اس پر فخر، اس پر عمل، اسے زندہ و توانا رکھنا پھیلانا ہمارے سپرد ہے۔ ہم اپنے حصے کا کام کر کے گھر واپس پہنچ جائیں۔ رب تعالیٰ کے پاس، ہمیں بس اپنے عمل کا حساب دینا ہے جو قبولیت پا گیا تو اس کے بعد کا ہر منظر سہانا ہے! نرا یوم پاکستان نہیں جس سے وطنیت کی بو آتی ہے۔ آج امت مسلمہ کا گل سرسبد پاکستان ان دونوں 23 مارچ اور 14 اگست کو صرف وطنی رنگ میں مناتا ہے۔ سیکولر، لبرل سرمستی میں ڈوبا ہوا، ناچتا گاتا کلیتاً مخلوط لہکتا، مٹکتا، شوبز کے ناز و انداز دکھاتا۔ حالانکہ قائد اعظم نے خطبہ' لاہور میں جوانوں کو پکارا تھا۔ 'جوانی کے جذبوں کی تپش اور شعلہ ایمانی کو یکجا کر دیجیے تاکہ زندگی روشن تر ہو جائے اور اس سے ہماری آئندہ نسلوں کے لیے عمل کا ایک نیا جہاں جنم لے۔' آج غلامی کا نیا جہاں جنم لے چکا! دینی، ایمانی تشخص کو ان دونوں کے حوالے سے اجاگر کرنا نسل نو کے رگ و پے میں اتارنا دینی جماعتوں، اساتذہ، والدین کا یکساں فرض ہے۔ مقتدر حلقے بے چارے کرسی والے اونٹ کو کسی کروٹ بٹھانے کی کھینچا تانی میں سرتا پا غرق ہیں۔ شریعت نہ ان کا ذوق ہے نہ ترجیح۔ شریعت عوام دوست، ماں سی مہربان ریاست دیتی ہے۔ حکمرانوں پر سخت ہوتی ہے! ہمارے حکمران باضابطہ شریعت دشمن ہیں! ان کی سرپھٹول کے ہاتھوں پاکستان کی روح تو جو سلب ہوئی سو ہوئی جسمانی، مادی حالت بھی قابل رشک نہیں۔ مولانا سرفراز خان صفدرؒ سے منقول ہے کہ (کسی اور پیرائے میں) 'ایسا شخص کبھی بوڑھا نہیں ہوتا۔ اسے کتا نہیں کاٹتا۔ اس کی چوری نہیں ہوتی۔ آج اب ہمارے ہاں بڑے ہاتھیوں کی لڑائی کے ہاتھوں یہ تینوں باتیں عوام پر صادر آتی ہیں۔ پاکستانی بوڑھے نہیں ہوتے۔ اس سے پہلے ہی مر جاتے ہیں۔ یوریا، ڈٹرجینٹ اور نجانے کیا کیا ملا دودھ پی کر، فارمی مرغی کھا کر، منرل واٹر میں رنگ برنگے صحت شکن کیمیائی عناصر کے ہاتھوں، گدھے کا گوشت مزید ہے۔ دوائیں بھی جعلی ہیں۔ سو بڑھاپا آ نہیں پاتا۔ کتا اس لیے نہیں کاٹتا کہ کمزور صحت ہاتھ میں لاٹھی تھما دیتی ہے۔ چوری اس لیے نہیں ہوتی کہ آلودگی الرجی مارا ساری رات کھانستا ہے، بیماریوں کی فراوانی، علاج مہنگا، ادویہ جعلی ہیں۔ ذرا احتیاط برتے تو جنت مکانی ہونا ممکن ہے (اپنی مظلومیت کے ہاتھوں)۔ تاہم تفنن برطرف حقائق نہایت تکلیف دہ اور گھمبیر ہیں۔ استحکام پاکستان کی جان کو لاگو سب سے بڑا مرض اپنی شناخت کھو دینے کا ہے۔ بالخصوص عورت کا بگاڑ، تعلیم کی بربادی اور دین بے زاری۔ نائن الیون کے بعد جو موڑ مڑے ہیں، ہر دن ہم بہروپ بھرتے بھرتے وہاں آن پہنچے ہیں کہ پہچانے بھی نہ جائیں۔ ع 'ہمیں' آباء سے

اپنے کوئی نسبت ہو نہیں سکتی! ملائیشیا سے آنے والی ایک خاتون نے (جو پہلی مرتبہ پاکستان دیکھنے آئیں) جو تبصرہ تین روزہ قیام کے بعد حیرت سے کیا وہ ایک یہ کہ امیر اور غریب کے درمیان فرق بے پناہ ہے۔ شادی (جوان کے ہاں سادگی سے نکاح و لیمے میں سمٹ جاتی ہے) پاکستان میں؟ بالی وڈ کے مناظر پیش کرتی ہے۔ لباس اور اسلام کی حالت دگرگوں اور مساجد خالی۔ سو یہ تبصرہ ہمیں آئینہ دکھانے کو کافی ہے۔ حقائق تو اس سے زبوں تر ہیں۔

تنہا عورت کو آزادی، بے باکی کی جس راہ پر ہم نے چھوڑ دیا ہے بلکہ سرپٹ دوڑا رہے ہیں، وہی استحکام پاکستان کی چولیں ہلا دینے کو کافی ہے۔ عورت معاشرے کے بناؤ یا بگاڑ کی جڑ بنیاد ہے۔ مغربی معاشروں کے اخلاقی بگاڑ اور بالآخر اُدھر ٹرمپ اور ادھر پیوٹن جیسے درندے بن ماں کے اجڑے بکھرے خاندانوں کے خودرو پودوں کی سی پیداوار ہیں۔ پوری دنیا کی درندگی کا پیمانہ عالمی جنگی منظر نامہ ہے۔ پہلے امریکہ نے عراق میں سارے نت نئے ہتھیاروں کی ایجادات مسلمان بچوں، شہریوں پر آزمائیں اور ڈٹ کر اقرار کیا۔ آج پیوٹن کے ہاں سے یہ اقرار آیا ہے کہ شام میں حالیہ خوفناک ہلاکت خیز بمباریوں میں دو سو نئے ہتھیار آزمائے ہیں اور بہت سے خریدار دلچسپی لے رہے ہیں۔ (ہتھیاروں کی کامیابی کی بنا پر!) آج انسانیت اس لیے ختم ہوگئی کہ 'ماں' دور دور کہیں موجود نہیں۔ عورت سبھی کچھ ہے سوائے مامتا کی شفقت بھری، تربیت نچھاور کرتی، شیر کی نگاہ سے دیکھتی لقمہ حلال کھلاتی ماں کے۔ انسانی بچہ بے پناہ توجہ، بے لوث محبت کی گرمائش میں پروان چڑھتا ہے۔ ٹینشن فری، بیکو ایثار کش ماں! فل ٹائم ماں! بات صرف مرغی کا معیار گر کر بلبوں کے سائے میں بن ماں کے چوزے پل کر جوان ہونے کا معاملہ نہیں ہے۔ انسان کا بچہ بھی گود کھو بیٹھا ہے۔ گلوبل ولیج کی جہالتیں مسلمان ممالک کی عورت کو بہکانے بھٹکانے میں اپنا حصہ ڈال رہی ہیں۔ یہ خبر پڑھیے۔ عورت کا مقام اور کسمپرسی عیاں ہے۔ 'اسلام آباد کے بڑے شاپنگ مالز میں خواتین ملازمین (مومنہ، مسلمہ عورت تجارتی مراکز میں اس وقت خود مال تجارت کی طرح سجا کھڑی کی گئی ہے!) تحریری معاہدوں، حقوق سے محروم ہیں۔ (اور ایمان؟) ہراساں کرنے سے بچانے کے لیے کمیٹی قائم نہیں کی۔ شادی ہو جائے تو ملازمت سے نکال دیتے ہیں۔ شادی شدہ اور حاملہ خواتین کو ملازمت نہیں دی جاتی۔ یہ 400 دو کانوں کا حال بیان ہوا ہے! یہ پورا نقشہ ایک مسلم مملکت اور ایک مسلمہ عورت کے لیے کس درجے معیوب اور اجنبی ہے! ہراساں کرنے سے بچانے؟ یہ مغربی معاشروں کی بلا۔ جو عورت کی برہنگی بے باکی (جو اس پر ترقی کے نام پر مسلط کی گئی) اور ہر جا موجود و میسر ہونے کی بنا پر تھی۔ آج مسلم معاشرے میں بھی فراواں ہے! ہمارے نقاب نوچنے والے فرانس کی تازہ ترین (نہایت ترقی یافتہ) خبر یہ ہے کہ ہر 8 میں سے ایک خاتون کم از کم ایک مرتبہ لوٹی جا چکی ہے۔ آبروریزی کا نشانہ بننے والی ایسی 40 لاکھ خواتین ہیں۔ دو کانوں پر سجی سنوری کاسیاتِ، عاریاتِ، مائلاتِ، ممیلات۔ کپڑے پہن کر بھی برہنہ نظر آنے والی، رجھنے رجھانے والی قربِ قیامت کی حدیث میں مذکور علامت مملکتِ خداداد پاکستان میں ہم نے لا کھڑی کیں؟ ملازمت کے لیے ان کا غیر شادی شدہ ہونا بھی ضروری ہے! ایک تصویر اور بھی ملاحظہ فرمائیے۔ استحکام شکن اور استقلال شکن نیشنل کونسل آف آرٹس کے زیر اہتمام سی پیک فیشن کلچرل شو میں ماڈل لڑکی کھڑی ہے۔ معاشی ترقی کا یہ شاہکار، مسلمان لڑکی کے برہنہ بازوؤں اور حسن و جمال آرائش و زیبائش میں جھلک رہا ہے۔ یہ دو صدیوں کی قربانیوں کا حاصل ہے عہد آزاد مسلم مملکت میں عمران جیسے حرص و ہوس کے بھیڑیوں کی تصاویر؟ ملکی استحکام اور اسلام کا ایکسرے اخبارات ہیں۔ سیاست دانوں، مقتدروں کے مابین دنگل کی عجیب و غریب خبروں سے لپٹے پڑے ہیں۔ اندر کے دو صفحات پاکستان اور دنیا بھر کی حرافاؤں کی برہنہ تصاویر سے آلودہ۔ جو کمی رہ جائے وہ کھیلوں کی آڑ میں پوری ہو جائے۔ نئی نسل کا رول ماڈل! معاشی سکینڈل، اخلاقی، سیاسی سکینڈل، بھلی بات سننے کو کان ترستے ہیں۔ خیر کی خبر پڑھنے کو نہیں ملتی۔ مسلم دنیا جنگوں کی لپیٹ میں، پاکستان امت کے احوال سے منہ موڑے، کوئی اہم کردار ادا کرنے سے بھی قاصر، ایٹمی ملک۔ لیکن بے توقیر، امریکہ کے قدموں میں جا پڑنے کو تیار۔ امداد کی بحالی کی خاطر! روہنگیا، شام، فلسطین افغانستان کا حق اخوت کیا ادا کرے وہ تو خود اپنی شہ رگ کشمیر کا حق ادا نہیں کر رہا۔ پاکستان کی اپنی خود مختاری سے بے نیاز ڈرون کے چرکے ہنسی خوشی کھاتا ہے۔ بھارت مسلسل ہماری سرحدوں پر آگ برسا رہا ہے۔ شہری لقمہ بن رہے ہیں۔ ہمیں ایک دوسرے کے گریبان پھاڑنے یا امریکہ راضی کرنے سے فرصت نہیں۔ ایسے میں ہر دردمند، ذی شعور اپنے حصے کا فرض ادا کرنے کو کمربستہ ہو جائے۔ اس کا علاج صرف خواندگی ہے! ان پڑھ، بے جڑ بے بنیاد نسلوں کے لیے قرآن خواندگی۔ قرآن کی روح، اس کا زندہ کر دینے انقلاب برپا کر دینے والا پیغام جس نے اونٹ چرانے والے بدوؤں کو دنیا کی متمدن ترین قوم پُرشکوہ سپر پاور بنا دیا۔ مگر و یا عمل سے لبریز، زندہ قرآن پڑھائیے جو حاضر و موجود سے بے زار کر کے، احساسِ زیاں دے کر لہو گرما دے۔ اٹھا کر کھڑا کر دے۔ قوم کی عورت کو بچائیے۔ اٹھیے! دو کانوں پر بکتی لڑکیاں بچائیے، عورت کو اس کی قدر و قیمت بتائیے جس کی گود میں امت کی قیادت پلتی تھی، وہ حسن و جمال، عفت و عصمت کوڑیوں کے عوض بیچنے پر لگا دی؟ بل بورڈ پر چڑھا دی؟ نظامِ تعلیم برباد ہو چکا۔ اس کے ازالے کے لیے بچوں کو خود بھی پڑھائیے۔ نظام بدلنے کے لیے سر جوڑیے۔ کرسیاں گھسیٹنے، ووٹوں کی گنتی کے لیے نہیں۔

وہ جو لکھی گئیں نوکِ سناں سے بدر و خیبر میں
مرے بچوں کو پھر ان داستانوں کی ضرورت ہے

❁❁❁

کیسی بلندی، کیسی پستی

پاکستان کا پہلا بجٹ برائے 1949-1948ء وزیر خزانہ ملک غلام محمد نے قیام پاکستان کے صرف سات ماہ کے بعد مارچ 1948ء میں پیش کیا۔ کیا دوست اور کیا دشمن، سبھی یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ یہ متوازن بجٹ تھا۔ جبکہ موجودہ بجٹ برائے 18-2017ء جس کا مجموعی حجم 21 کھرب 13 ارب روپے اور خسارہ 14 کھرب 80 ہزار تھا، مسلم لیگ ن کے وزیر خزانہ اسحاق ڈار نے 26 مئی 2017ء کو پیش کیا۔ یہ بجٹ خسارے کا بجٹ تھا۔ اس وقت عوام میں بڑی آسودگی' طمانیت اور خوشحالی تھی' اور اب بہت بے چینی' ہوس اور بدحالی ہے۔ کیسی بلندی' کیسی پستی

قائداعظم کا پاکستان

مرتب: فریداللہ مروت

قائداعظم کا پاکستان

قائداعظم پر آج کل الزام لگایا جا رہا ہے کہ وہ سیکولر نظام کے حامی تھے۔ 70 سال گزرنے کے بعد نظریۂ پاکستان میں شکوک وشبہات ڈالے جا رہے ہیں، یہ شکوک وشبہات انڈیا اور مغرب کی طرف سے درآمد ہو رہے ہیں۔ کبھی اتحاد بین المذاہب کی تحریک، کبھی بین المذاہب ہم آہنگی کے نام پر اسلام کے تشخص (کہ اسلام ہی ناجی مذہب ہے) کو ختم کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ آزاد خیال نام نہاد روشن خیال مسلمان اس کی آبیاری کر رہے ہیں۔ اس لیے ضروری ہوا کہ قائداعظم پاکستان کے متعلق کیا تصور رکھتے تھے تحریر کیا جاوے تاکہ پاکستان کے نظریہ اسلام کو ختم کرنے کی کوشش کرنے والوں سے قارئین متاثر نہ ہوں اور شکوک ڈالنے والوں پر واضح کیا جائے کہ قائداعظم کا تصور پاکستان کیا تھا اور اُن کا غلط نظریہ رد کر سکیں۔ چنانچہ زیرِ نظر سطور میں قائداعظم کی تقاریر پاکستان بننے سے پہلے اور بعد کی تحریر کی جائیں گی جس سے قارئین کو قائداعظم کے نظریات کو سمجھنے میں آسانی ہوگی اور وہ روشن خیال ذہن سے متاثر نہ ہوگا۔

فرمودات قائداعظم

ہم نے پاکستان کا مطالبہ ایک قطعہ زمین حاصل کرنے کے لیے نہیں کیا تھا بلکہ ہمارا مقصد ایک ایسی تجربہ گاہ کا حصول تھا جہاں ہم اسلام کے اُصولوں کو بروئے کار لا سکیں۔ اسلام نے ہمیں جمہوریت اور مساوات کی تعلیم دی ہے اور ہر شخص سے انصاف اور رواداری کا حکم دیا ہے۔ اسلامی ریاست کے تصور کا یہ امتیاز پیش نظر رہنا چاہیے کہ اس میں اطاعت اور وفاکیشی کا مرجع اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ لہٰذا قرآن حکیم کے احکام ہی معاشرت وسیاست میں ہماری آزادی کی وسعت وتحدید کا تعین کر سکتے ہیں، ہماری نجات کا واحد ذریعہ ان زریں اُصولوں اور ضابطۂ حیات پر عمل کرنا ہے جو رسالت پناہ ﷺ نے ہمیں عطا کیا ہے۔ مسلمانوں کی قومیت کی بنیاد نہ تو وطن ہے نہ نسل بلکہ کلمۂ توحید ہے۔ اسلام کے اُصول عام زندگی میں آج بھی اسی طرح قابل عمل ہیں جس طرح تیرہ سو سال پہلے تھے۔ ہمیں اپنی پاک سرزمین میں اسلامی جمہوریت اسلامی معاشرتی انصاف اور انسانی مساوات کے اُصولوں کے احیاء اور فروغ کی پاسبانی کرنی ہے۔ ہمیں ایسے باایمان لوگوں کی ضرورت ہے جو حوصلہ اور عزم رکھتے ہوں اور اپنے عقائد کی خاطر نبرد آزما ہو سکتے ہوں۔ ہمیں دُنیا کے سامنے ایک مثالی معاشرتی ومعاشی نظام پیش کرنا ہے جو انسانی مساوات اور سماجی انصاف کے سچے اسلامی تصورات پر قائم ہو۔ ایسا نظام پیش کر کے ہم اپنے فرض کی بجا آوری کریں گے اور انسانیت کو صحیح اور سچے امن کا پیغام دیں گے۔ ہمیں ضروری اور بنیادی نوعیت کی صنعتوں کو سرکاری تحویل میں لینا ہوگا اور یہی عمل عوامی ضروریات کے تحت بعض دوسرے شعبوں میں بھی کرنا پڑے گا۔

ایک عظیم تہذیب اور تاریخ کے وارث ہونے کی حیثیت سے ہمیں کسی قسم کا خوف نہیں ہونا چاہیے اور کام، کام اور کام کو اپنا شعار بنانا چاہیے کہ کامیابی ہمارا مقدر ہے۔ یہ سہ گانہ اُصول پیش نظر رکھیے، ایمان، اتحاد، تنظیم

(بحوالہ ماہنامہ اوقاف فروری 1977ء جلد 1 شمارہ 1)

قائداعظم کی پاکستان بننے سے پہلے کی تقاریر

پہلی تقریر...... علامہ اقبال کی پُر زور دعوت پر قائداعظم لندن سے واپس آئے تاکہ مسلمانوں کی قیادت کر سکیں۔ انہوں نے مولانا ظفر علی خان اور سردار عبدالرب نشتر کی موجودگی میں ایک نہایت ایمان افروز بیان دیا جو اس وقت مناظرہ کراچی میں شائع ہوا۔ بعد ازاں ندائے ملت لاہور نے اپنی اشاعت 5 اپریل 1970ء میں بھی اسے نقل کیا اور زمیندار لاہور میں بھی شائع ہوا جس سے نہ صرف آئندہ قائم ہونے والی مسلم ریاست کی نظریاتی حیثیت واضح ہوتی ہے بلکہ مسلم ممالک پر مشتمل اسلامی بلاک کے قیام کی خواہش کا بھی اظہار ہوتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ (میں لندن میں امیرانہ زندگی بسر کر رہا تھا، اب اسے چھوڑ کر انڈیا اس لیے آیا ہوں کہ لا الٰہ الا اللہ کی مملکت یعنی پاکستان کے قیام کے لیے کوشش کروں۔ میں لندن میں رہ کر سرمایہ داری کی حمایت کرتا تو سلطنت برطانیہ جو دنیا کی عظیم ترین سلطنت تھی مجھے اعلیٰ سے اعلیٰ مناصب اور مراعات سے نوازتی۔ اگر میں روس چلا جاؤں یا کہیں بیٹھ کر سوشلزم، مارکیزم اور کمیونزم کی حمایت شروع کر دوں تو مجھے بڑے سے بڑا اعزاز مل سکتا ہے اور دولت بھی۔ مگر علامہ اقبال کی دعوت پر میں نے دولت اور منصب دونوں کو تج کے انڈیا میں محدود آمدن کی دُشوار زندگی بسر کرنا پسند کیا تاکہ پاکستان وجود میں آئے۔ اس میں اسلامی قوانین کا بول بالا ہو کیونکہ دنیا کی نجات اسلامی نظام میں ہی ہے۔ ذرا خیال فرمایئے کہ اگر لا الٰہ الا اللہ پر مبنی حکومت قائم ہو جائے تو افغانستان، ایران، ترکی، اُردن، بحرین، کویت، حجاز، عراق، فلسطین، شام، تیونس، مراکش، الجزائر اور مصر کے ساتھ مل کر کتنا عظیم الشان اسلامی بلاک بن سکتا ہے۔ (اسلام اور انقلاب صفحہ 237 مؤلف منشی عبدالرحمٰن مرحوم)

دوسری تقریر...... گیا بہار ریلوے اسٹیشن...... 11 جنوری 1938ء کو لاکھوں کے مجمع سے خطاب کرتے ہوئے قائداعظم نے کہا: ''آج عظیم الشان مجمع میں آپ نے مسلم لیگ کا جھنڈا لہرانے کا اعزاز بخشا ہے۔ آپ مسلم لیگ کو اسلام سے الگ نہیں کر سکتے۔ بہت سے لوگ ہمیں غلط سمجھتے ہیں۔ جب ہم اسلام کا نام لیتے ہیں خصوصاً ہندو دوست، جب ہم کہتے ہیں یہ جھنڈا اسلام کا جھنڈا ہے تو وہ خیال کرتے ہیں کہ ہم مذہب کو سیاست میں گھسیٹ رہے ہیں حالانکہ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس پر ہم فخر کرتے ہیں۔ اسلام ہمیں مکمل ضابطہ دیتا ہے۔ نہ صرف ایک مذہب ہے بلکہ اس میں قوانین، فلسفہ اور سیاست سب کچھ ہے۔ درحقیقت اس میں وہ سب کچھ موجود ہے جس کی ایک آدمی کو صبح وشام ضرورت ہوتی ہے۔ جب اسلام کا نام لیتے ہیں اسے کامل لفظ دین کی حیثیت سے لیتے ہیں، ہمارا کوئی غلط مقصد نہیں بلکہ ہمارے اسلامی ضابطہ کی بنیاد آزادی، عدل، مساوات اور اُخوت پر ہے۔''

تیسری تقریر...... علی گڑھ میں جب ان سے پوچھا گیا کہ پاکستان کا آئین کس طرح کا ہوگا؟ تو ان کا جواب تھا کہ میں کون ہوتا ہوں آئین دینے والا ہمارا آئین وہی ہے جو 1300 برس پہلے ہمارے عظیم پیغمبر ﷺ نے دے دیا تھا۔

ہمیں تو صرف اس آئین کی پیروی کرتے ہوئے اس کو اخذ کرنا ہے اور اس کی بنیاد پر اسلام کا عظیم نظام نافذ کرنا ہے۔ یہی پاکستان ہے۔

چوتھی تقریر......ایک موقع پر قائداعظم نے اپنے تصور ریاست کو ان الفاظ میں واضح کیا: ''اسلامی حکومت کے تصور کا یہ امتیاز پیش نظر رہنا چاہیے کہ اس میں اطاعت اور وفا کیشی کا مرجع خدا کی ذات ہے، جس کی تعمیل کا عملی ذریعہ قرآن مجید کے احکام اور اُصول ہیں۔ اسلام میں اصلاً نہ کسی بادشاہ کی اطاعت ہے اور نہ پارلیمان کی نہ کسی اور شخص یا ادارے کی۔ قرآن کریم کے احکام ہی سیاست اور معاشرت میں ہماری آزادی اور پابندی کی حدود متعین کر سکتے ہیں۔ اسلامی حکومت اور دوسرے لفظوں میں قرآنی اُصول اور احکام کی حکمرانی ہے۔'' (خطاب عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد دکن 1941ء)

نومبر 1945ء کے پیغام میں فرمایا: ''جب ہمارے پاس قرآن کریم ایسی مشعل ہدایت موجود ہے تو پھر ہم اس کی روشنی میں ان اختلافات کو کیوں نہیں مٹا سکتے۔'' (حیدرآباد دکن میں جلسہ سے خطاب 14 فروری 1946ء) اس میدان سیاست میں ہندو مسلمانوں کی جنگ ہو رہی ہے لوگ پوچھتے ہیں کون فتح یاب ہوگا؟ علم غیب تو خدا کو ہے۔ لیکن میں ایک مسلمان ہونے کی حیثیت سے علی الاعلان کہہ سکتا ہوں کہ اگر ہم قرآن مجید کو اپنا آخری اور قطعی رہبر بنا کر صبر اور رضا پر کاربند ہوں اور اس ارشاد خداوندی کو بھی فراموش نہ کریں کہ ''تمام مسلمان بھائی بھائی ہیں'' تو ہمیں دنیا کی کوئی طاقت یا کئی طاقتیں مل کر بھی مغلوب نہیں کر سکتیں، ہم تعداد میں کم ہونے کے باوجود فتح یاب ہوں گے اور اسی طرح فتح یاب ہوں گے جس طرح مٹھی بھر مسلمانوں نے ایران اور روم کی سلطنتوں کے تختے اُلٹ دیئے۔''

پانچویں تقریر......اگست 1947ء میں حیدرآباد دکن کے طلبہ سے اسلامی حکومت کے لوازم کے بارے میں سوال کیا گیا تو اس کے جواب میں انہوں نے کہا کہ میں نے قرآن مجید اور قوانین اسلامیہ کے مطالعہ کی اپنے طور پر کوشش کی ہے۔ اس عظیم الشان کتاب کی تعلیمات میں ان کی زندگی کے سراب کے متعلق ہدایات موجود ہیں، زندگی کا روحانی پہلو ہو یا معاشرتی، سیاسی پہلو ہو یا معاشی۔ غرضیکہ کوئی شعبہ ایسا نہیں جو قرآنی تعلیمات کے احاطہ سے باہر ہو۔ مسلمانوں کے لیے الگ آزاد، خود مختار مملکت کے حوالے سے قائداعظم کے ذہن میں روزِ اوّل سے ایک واضح نقشہ تھا۔

پاکستان بننے کے بعد کی تقاریر

پہلی تقریر......قیام پاکستان کے چھ ماہ بعد ایک تقریر میں فرماتے ہیں ''اس اسکیم کو پیش کرتے ہوئے جو اُصول میرے دل میں جاگزیں تھا، وہ مسلم ڈیموکریسی کا اُصول تھا۔ یہ میرا ایمان ہے کہ ہماری نجات اس ذات اقدس ﷺ کے اسوۂ حسنہ کے اتباع میں مضمر ہے، جس نے ہمیں قانون خداوندی عطا فرمایا ہے۔ آیئے! ہم اپنی جمہوریت کی بنیاد سچے اسلامی اُصولوں پر رکھیں، ہمارے خدا نے ہمیں سکھایا ہے کہ ہماری مملکت کے معاملات باہمی مشاورت سے طے پائیں۔'' (سبی دربار 14 فروری 1948ء)

دوسری تقریر......''پاکستان کا قیام جس کے لیے ہم نے گزشتہ دس سال سے مسلسل کوشش کر رہے تھے، اب خدا کے فضل سے ایک حقیقت بن کر سامنے آ چکا ہے لیکن ہمارے لیے ایک آزاد مملکت کا قیام مقصود بالذات نہیں تھا بلکہ ایک عظیم مقصد کے حصول کا ذریعہ تھا۔ ہمارا مقصد یہ تھا کہ ہمیں ایک ایسی مملکت مل جائے جس میں ہم آزاد انسانوں کی طرح رہ سکیں اور سانس لے سکیں اور جس میں ہم اپنی روشنی اور ثقافت کے مطابق نشو ونما پا سکیں اور جہاں اسلام کے عدل عمرانی کے اُصول آزادانہ طور پر روبہ عمل لائے جا سکیں۔'' (خالق دینا ہال کراچی میں خطاب 11 اکتوبر 1947ء)

تیسری تقریر......30 اکتوبر 1947ء کو آسٹریلیا کے ایک نامہ نگار کو انٹرویو دیتے ہوئے قائداعظم نے فرمایا: ''کہ پاکستان دُنیا کے نقشہ پر جو لاتعداد ممالک سے بھرا ہوا ہے، محض ایک اور نام کا اضافہ نہیں بلکہ یہ حقیقت ہے کہ پاکستان اسلامی ممالک کی طویل صف میں ایک نہایت ضروری اضافہ ہے۔ آسٹریلیا کے پیغامات اور مراسلات بحیرہ روم اور یورپ تک اسلامی دُنیا سے گزر کر ہی پہنچ سکتے ہیں۔ پاکستان قدرتی طور پر اسلامی ممالک سے بہتر قریبی تعلق رکھتا ہے۔''

چوتھی تقریر......24 دسمبر 1947ء کو ایک عرب ملک کے سفیر کا استقبال کرتے ہوئے فرمایا کہ اسلام ہماری زندگی اور ہمارے وجود کا بنیادی سرچشمہ ہے۔ اسلام نے ثقافتی، تہذیبی، ماضی اور ہماری گزشتہ روایات کو اتنا وابستہ، گہرا اور قریب کر رکھا ہے کہ اس امر میں کسی کو شبہ نہیں ہونا چاہیے کہ ہم عربوں اور ان کے مسائل اور مقاصد کو مکمل کرنے کی ہمدردی رکھتے ہیں۔

پانچویں تقریر......(اسلامیہ کالج پشاور 13 جنوری 1948ء) فرمایا: ''ہم نے پاکستان کا مطالبہ ایک زمین کا ٹکڑا لینے کے لیے نہیں کیا بلکہ ہم ایک ایسی تجربہ گاہ حاصل کرنا چاہتے ہیں جہاں ہم اسلامی اُصولوں کو آزما سکیں۔''

قائداعظم اس حقیقت کا ادراک رکھتے تھے کہ اسلام نہ صرف مسلمانوں کی نجی زندگی بلکہ ان کی اجتماعی حیات کے سیاسی، معاشی اور معاشرتی پہلو کو بھی اسلامی قوانین اور تعلیمات کے مطابق استوار کرنے کا تقاضا کرتا ہے۔

چھٹی تقریر......25 جنوری 1948ء کو کراچی بار ایسوسی ایشن سے خطاب کرتے ہوئے قائداعظم نے دوٹوک انداز میں فرمایا تھا: ''اسلامی اصول آج بھی ہماری زندگی کے لیے اسی طرح قابل عمل ہیں جس طرح تیرہ سو سال پہلے قابل عمل تھے۔ وہ یہ نہیں سمجھ سکے کہ لوگوں کا ایک گروہ جان بوجھ کر فتنہ انگیزی سے یہ بات کیوں پھیلانا چاہتا ہے کہ پاکستان کا آئین شریعت کی بنیاد پر مدوّن نہیں کیا جائے گا۔'' یہ اُن لوگوں کو مُسکت جواب تھا جو 11 اگست کی تقریر کی غلط تعبیر کر رہے تھے اور آج بھی کر رہے ہیں۔

14 فروری 1948ء کو شاہی دربار سبی (بلوچستان) میں خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ ''میرا ایمان ہے کہ ہماری نجات اسوۂ حسنہ پر چلنے میں ہے جو پیغمبر اسلام ﷺ نے ہمارے لیے بنایا ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم اپنی جمہوریت کی بنیادیں صحیح معنوں میں اسلامی اُصولوں اور اسلامی تصورات پر رکھیں۔''

ساتویں تقریر...... 21 فروری 1948ء میں انہوں نے اسلامی جمہوریت، اسلامی معاشرتی عدل وانصاف کے عنوان پر خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ: ''اب آپ کو اپنے وطن کی سرزمین میں اسلامی جمہوریت، اسلامی معاشرتی عدل وانصاف اور مساوات انسانی کے اُصول پر پاسبانی کرنی ہے۔ آپ کو ان کے لیے تیار رہنا چاہیے۔''

آٹھویں تقریر...... بانی پاکستان نے پاکستان بننے کے بعد فرمایا: ''یہ ملک احکم الحاکمین کی طرف سے بطور

انعام عطا ہوا۔ کسی قوم پر اس سے بڑھ کر خدا کا انعام کیا ہو سکتا ہے؟ یہی وہ خلافت ہے جس کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ سے کیا تھا کہ اگر تیری اُمت نے صراطِ مستقیم کو اپنے لیے منتخب کیا تو ہم اس زمین کی بادشاہت دیں گے۔ اللہ تعالیٰ کے اس انعام عظیم کی حفاظت پاکستان کے ہر مرد وزن، بچے، بوڑھے اور نوجوان پر فرض ہے۔‘‘

نویں تقریر...... 21 مارچ 1948ء کو قائداعظم نے فرمایا کہ ’’میری آرزو ہے کہ پاکستان صحیح معنوں میں ایک ایسی مملکت بن جائے جہاں ایک بار پھر دُنیا کے سامنے فاروق اعظم ؓ کے سنہری دور کی تصویر عملی طور پر کھینچ جائے، خدا میری اس آرزو کو پورا کرے۔‘‘

دسویں تقریر...... 21 مارچ 1948ء کو قائداعظم نے واضح طور پر فرمایا کہ ’’پاکستان کسی ایک طبقے کی لوٹ کھسوٹ اور اجارہ داری کے لیے نہیں بنا۔ پاکستان میں رہنے والے ہر شخص کو ترقی کے برابر مواقع ملیں گے۔ پاکستان امیروں، جاگیرداروں اور نوجوانوں کی لوٹ گھسوٹ کے لیے نہیں بنایا گیا۔ پاکستان غریبوں کی قربانیوں سے بنا ہے، پاکستان غریبوں کا ملک ہے، اس پر غریبوں کو حکومت کا حق ہے۔ پاکستان میں رہنے والے ہر شخص کا معیارِ زندگی اتنا بلند کیا جائے کہ غریبوں اور امیروں میں تفاوت باقی نہ رہے۔ پاکستان کا اقتصادی نظام اس کے غیر قانونی اُصولوں پر ترتیب دیا جائے گا۔ ان اُصولوں پر جنہوں نے غلاموں کو تاج وتخت کا مالک بنا دیا‘‘ انہوں نے سخت لب ولہجہ میں فرمایا کہ ’’میں ضروری سمجھتا ہوں کہ زمینداروں اور سرمایہ داروں کو متنبہ کر دوں کہ اس طبقہ کی خوشحالی کی قیمت غریبوں نے ادا کی ہے ان کی خوشی کا سہرا جس نظام کے سر ہے وہ انتہائی ظالمانہ شرانگیز ہے۔ اس نے اپنے پروردہ عناصر کو اس حد تک خود غرض بنا دیا ہے کہ انہیں دلیل سے قائل نہیں کیا جا سکتا۔ اپنی مقصد براری کے پروردہ عناصر کو اس قدر خود غرض بنا دیا ہے کہ عوام کا استحصال کرنے کی خوئے بد ان کے خون میں رچ گئی ہے۔‘‘ سرمایہ دارانہ نظام مغرب کی تباہی کا سبب بن رہا ہے۔ قائداعظم نے اقتصادی ماہرین کو اس نظام کو اختیار کرنے سے روکا اور اسلامی معاشی نظام اپنانے کی تلقین کی۔

گیارہویں تقریر...... 15 جولائی 1948ء کو سٹیٹ بینک پاکستان کے افتتاح کے موقع پر فرمایا: ’’میں اشتیاق اور دلچسپی سے معلوم کرتا رہوں گا کہ آپ کی مجلس تحقیق بینکاری کے طریقے کیوں کر وضع کرتی ہے جو معاشرتی، اقتصادی زندگی کے اسلامی تصورات کے مطابق ہو۔ مغرب کے معاشی نظام نے انسانیت کے لیے لاینحل مسائل پیدا کر دیئے۔ اکثر لوگوں کی رائے ہے مغرب کو اس تباہی سے کوئی معجزہ ہی بچا سکتا ہے جو مغرب کی وجہ سے دُنیا کے سر پر منڈلا رہی ہے ہمیں دُنیا کے سامنے ایک مثالی، معاشی نظام قائم کرنا ہے جو انسانی مساوات اور معاشرتی انصاف کے سچے اسلامی تصورات پر قائم ہو۔‘‘

بارہویں تقریر...... 28 اگست 1948ء قیام پاکستان کے اگلے سال عید کے موقع پر آپ نے عالم اسلام کو عید کا پیغام ان الفاظ میں دیا ’’تمام اسلامی حکومتوں کو عید مبارک ہو۔ میرا عید کا پیغام سوائے دوستی اور بھائی چارگی کے کیا ہو سکتا ہے؟ ہم سب یکساں طور پر ایک کٹھن دور سے گزر رہے ہیں۔ سیاسی آزادی کا ڈراما جو فلسطین، انڈونیشیا اور کشمیر میں کھیلا جا رہا ہے وہ ہماری آنکھیں کھولنے کے لیے کافی ہے۔ ہم اپنے اسلامی اتحاد ہی کے ذریعے دُنیا کے مشورہ خانوں میں اپنی آواز کی قوت محسوس کرا سکتے ہیں۔‘‘

پاکستان کی پہلی سالگرہ

14 اگست 1948ء کو پاکستان کی پہلی سالگرہ کے موقع پر فرمایا: ’’یاد رکھیے کہ پاکستان کا قیام ایک ایسا واقعہ ہے جس کی تاریخ میں کوئی مثال نہیں۔ دُنیا کی سب سے بڑی سلطنت ہے اگر ہم دیانت داری سے، تندہی سے اور بے غرضی کے ساتھ کام کریں تو یہ سال بسال شاندار ترقی کرتی رہے گی۔ مجھے عوام پر کامل بھروسا اور یقین ہے کہ ہر موقع پر وہ اسلام کی تاریخ، شان وشوکت اور روایات کے مطابق عمل پیرا ہوں گے۔‘‘

❀❀❀

داعی رجوع الی القرآن، بانی تنظیم اسلامی
محترم ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ
کے شہرہ آفاق دورۂ ترجمۂ قرآن پر مشتمل
بیانُ القرآن
ترجمہ و مختصر تفسیر
خاص ایڈیشن
دیدہ زیب ٹائٹل • امپورٹڈ آفسٹ پیپر • بڑے سائز میں • عمدہ طباعت • مضبوط جلد
سات جلدوں پر مشتمل مکمل سیٹ کی قیمت: 3600 روپے
عوامی ایڈیشن
کتابی سائز • پیپر بیک بائنڈنگ • امپورٹڈ بک پیپر • عمدہ طباعت • دیدہ زیب ٹائٹل
چھ جلدوں پر مشتمل مکمل سیٹ کی قیمت: 1800 روپے
مکتبہ خدام القرآن لاہور
K-36، ماڈل ٹاؤن لاہور، فون 3-35869501 (042)

استحکامِ پاکستان کے تقاضے

محمد اسحٰق

پاکستان نعمت رب جلیل ہے‘ پاکستان آج ایک موڑ پہ آ کے کھڑا ہو گیا ہے۔

پاکستان کے دروازے پر

کاتب تقدیر قلم لیے کھڑا ہے کہ کیا لکھے اور فیصلہ الٰہی بہت سی چیزوں پر موقوف ہوتا ہے۔ سنت اللہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ دیکھتا ہے کہ قوموں میں کہاں تک اخلاص ہے‘ کتنا عزم ہے‘ کس قدر صلاحیتیں ہیں کچھ تقدیریں ہوتی ہیں جو بدلتی رہتی ہیں اور بدل جا سکتی ہیں‘ جن کو تقدیر معلق کہتے ہیں‘ جیسے کاتب تقدیر منتظر ہے فیصلہ خداوندی کا کہ کیا فیصلہ لکھے؟ وہ وقت ایسا ہوتا ہے کہ ایک لمحہ صدیوں کے برابر ہوتا ہے‘ اس کی ایک لغزش پوری پوری قوم کو غرق کر دینے کے لیے کافی ہوتی ہے۔

اس وقت آپ کی ذرا سی لغزش ملت کی قسمت پر مہر لگا سکتی ہے۔ ملت اسلامیہ پر آپ کا صحیح یا غلط فیصلہ اس وقت اثر انداز ہو سکتا ہے کہ ایک صدی دو صدی تک اس ملت کی قسمت پر پھر ایک اور قفل پڑ جائے اور اس کی چابی خدانخواستہ گم ہو جائے اس لیے آپ بڑے نازک مقام پر کھڑے ہیں۔ آپ خطرے کو محسوس کریں آپ کا ملک ایک دوراہے پر کھڑا ہے۔ اس موقع پر آپ متاع اسلام کو بچانے کی کوشش کریں۔

اس وقت ہمیں پورے اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے ساتھ عہد کر کے معاشرہ کی اصلاح کے کام میں لگ جانا چاہیے اور ملک کو اس تہذیبی وتمدنی ارتداد سے بچانا چاہیے اس وقت دنیا میں دو ہی محاذ ہیں۔ ایک محاذ ہے الحاد و کفر کا اور ایک محاذ ہے اسلام کا اور اس میں ذرا سی بھی چوک ہوئی تو قرآن مجید کے وہی الفاظ دہراؤں گا جو مدینہ میں قائم ہونے والے چھوٹے سے اسلامی معاشرے کو مخاطب کر کے کہے گئے تھے کہ اگر تم نے اپنی وحدت کو مستحکم نہ کیا تو صرف یہی نہیں کہ تم فنا ہو جاؤ گے بلکہ دنیا میں فتنہ عظیم اور فساد کبیر پیدا ہو گا۔ پاکستان میں اگر خدانخواستہ ان عصبیتوں نے سر اٹھایا جن کا ہر وقت خطرہ رہتا ہے جن سے لوگ ہر وقت کام لیتے ہیں تو پھر کوئی طاقت پاکستان کو بچا نہیں سکتی۔ نفاذِ شریعت کا تجربہ اگر خدانخواستہ ناکام ہوا تو پھر دنیا کے کسی گوشے میں کوئی خدا کا بندہ اس کا نام نہیں لے سکتا کہ شریعت کا نفاذ کیا جائے۔

قربانی کی ضرورت

اس مقام پر قربانی کی ضرورت ہے‘ قربانی وہ باعظمت اور مقدس چیز ہے جس کی تاریخ حضرت ابراہیمؑ پر ختم ہوتی ہے۔ آپ کو تین طرح کی قربانیاں دینی ہیں۔ ہماری ہر قربانی کے لیے ہماری تاریخ میں ایک امام موجود ہے۔ ایک قربانی وہ ہے جو سیدنا خالد بن ولیدؓ نے یرموک میں دی تھی۔ دوسری قربانی وہ ہے جو حضرت حسن بن علیؓ نے حضرت معاویہؓ کے مقابلہ میں امت کے انتشار کو ختم کرنے کے لیے دی تھی۔ تیسری قربانی وہ ہے جو عمر بن عبدالعزیزؒ نے اسلامی مملکت اور معاشرہ کو اسلامی زندگی اور اسلامی سیرت کی راہ پر لگانے کے لیے اپنی زندگی کو بدل کر اور اپنے خاندان کے مفاد سے آنکھیں بند کر کے دی تھی۔ اب یہ تینوں قربانیاں پاکستان کی اس ملت اسلامیہ کو درپیش ہیں۔

حضرت خالد بن ولیدؓ کی قربانی یہ پیغام دیتی ہے کہ عین میدانِ جنگ میں اگر معزول کر دیا جائے تو پیشانی پر شکن نہ آئے اور یہ الفاظ تاریخ کے ریکارڈ نے اسی وقت محفوظ کر لیے تھے کہ اگر میں عمر کے لیے لڑتا تھا تو اب نہیں لڑوں گا اور اگر اللہ تعالیٰ کے لیے لڑتا تھا تو میرے جوش و سرگرمی میں کوئی فرق نہیں آئے گا اور دنیا نے دیکھ لیا کہ اللہ کے سچے بندے نے اس کو سچ کر دکھایا کہ اس کے جوش جہاد اور شوقِ شہادت میں کوئی فرق نہیں آیا۔ دنیا کی تاریخ اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے کہ جس شخص کا نام فتح کے ساتھ اس طرح گھل مل گیا تھا کہ ان میں فرق کرنا مشکل تھا۔ وہ نام فتح کی علامت واثر بن گیا تھا۔ لوگ پوچھتے تھے کہ معرکہ میں خالد ہیں یا نہیں؟ اگر جواب ملتا کہ وہ ہیں تو دل امیدوں سے بھر جاتے ہیں‘ اصل بھروسا خدا پر تھا۔

ایک قربانی آپ کو اس ملک میں یہ دینی ہے کہ ملت کے مفاد کو اپنے مفاد پر، جماعت کے مفاد پر‘ برادریوں کے مفاد پر مقدم رکھیں۔ یہ قربانی ہے جس کا سبق حضرت خالد بن ولیدؓ کی قربانی ہمیں دیتی ہے۔ حضرت حسنؓ کی قربانی کی عظمت کو ہمارے اچھے اچھے مؤرخ بعض مرتبہ سمجھنے سے قاصر رہتے ہیں۔ لیکن حقیقت میں وہ قربانی بھی کسی قربانی سے کم نہیں کہ وہ نواسۂ رسول ﷺ تھے۔ ابھی بڑی فوجی طاقت حضرت حسنؓ کے ساتھ تھی اور مسلمانوں کی جذباتی وابستگی بھی ان کے ساتھ تھی۔ ان کے ساتھ شرعی دلائل تھے۔ وہ خلیفہ راشد تھے۔ ان کے ہاتھ پر بیعت ہو چکی تھی۔ انہوں نے دیکھا کہ یہ کشمکش بے نتیجہ ثابت ہوئی اور میرے جلیل المرتبت والد کی توانائیوں کا بڑا حصہ اس میں صرف ہو گیا۔ ان کا اجتہاد یہ تھا کہ انہوں نے خلافت سے کنارہ کشی اختیار کی۔ حضرت حسنؓ نے کسی کمزوری کی بنا پر یا کسی بیرونی دباؤ کی بنا پر یہ فیصلہ نہیں کیا بلکہ یہ تو وہ فیصلہ تھا کہ جس کی پیشین گوئی زبان نبوت نے کی تھی۔ میرا یہ بیٹا سردار ہے کیا عجب کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے مسلمانوں کے دو گروہوں کے درمیان مصالحت کرا دے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی قربانی بھی کسی قربانی سے کم نہیں۔ وہ جب مدینہ کے گورنر تھے اور حکمران خاندان کے ایک فرد تھے تو وہ اپنے اعلیٰ مذاق و نفاست پسندی کے لیے ایک ضرب المثل کی حیثیت رکھتے تھے۔ ان کا فیشن نوجوانوں میں نہ صرف قابل تقلید بلکہ منتہائے کمال سمجھا جاتا تھا۔ ان کی چال ڈھال کی نقل کی جاتی تھی اور المشیة العمریه کے نام سے اس زمانے کی سوسائٹی میں زبان زد خلائق تھی۔ بیش قیمت سے بیش قیمت کپڑا بازار سے خرید کر آتا تو ان نظر میں یہ جچتا۔ لیکن جب خلافت کا بار ان کے کندھوں پر پڑا تو ان کی زندگی یکسر بدل گئی۔ انہوں نے اپنی اور اپنے قریب ترین اعزہ کی جاگیریں بیت المال کو واپس کر دیں۔ ایک مرتبہ سستے سے سستا کپڑا ان کی پوشاک کے لیے آیا تو یہ کہہ کر انہوں نے واپس کر دیا کہ یہ قیمتی ہے۔ ان کے خادم کی آنکھوں میں

پرانا زمانہ یاد کر کے آنسو آ گئے کہ بازار کے قیمتی کپڑوں کو انہوں نے یہ کہہ کر واپس کر دیا تھا کہ بہت معمولی ہے۔ کھانے پینے اور گھر کی چیزوں کا معیار انہوں نے اتنا گرا دیا تھا کہ بوریا نشین زاہد بھی اس سے نیچے شاید نہ اتر سکے۔

ایک اور اہم بات یہ کہ ہم جتنا بھی ہو سکے ایثار سے کام لیں اور باہمی نزاع سے پرہیز کریں۔ ہماری زندگی جتنی سادہ ہوگی' ہماری زندگی میں جتنی قربانی ہوگی اتنا ہی بہتر نتیجہ نکلے گا۔ سب سے خطرناک بات آپس کی نزاع ہے۔ ہماری آپس کی دینی مباحث کا میدان اور ہے اس کے کہنے کا موقع اور ہے۔ آپ کا ملک ایک دوراہے پر کھڑا ہے۔ اس موقع پر آپ اسلام کو بچانے کی کوشش کریں۔ جب یہ بچ جائے گا تو پھر ان مسائل کا موقع ہوگا۔ اختلافات ہمیشہ سے تھے' کتنے اختلاف ہیں کہ ان کو گنا جائے تو درجنوں کی تعداد میں نکلیں لیکن کبھی ان سے انتشار نہیں پیدا ہوا۔ انتشار اس وقت ہوا جب معلمین و مدرسین مدرسہ سے نکل کر عوام میں آ گئے۔ غلطی یہ ہے کہ ان مسائل کا فیصلہ چوراہوں پر کیا جائے' مسلکوں کا فیصلہ جلسہ عام میں کیا جائے' ان مسلکوں کو نعرہ بنایا جائے' ان مسلکوں کو عوام کے حوالہ کیا جائے کہ اس سے بجائے ایک دوسرے سے ملنے کے وہ جدا ہوں۔ ورنہ یہ بحثیں تو ہمیشہ ہوتی ہیں ان کو عوام میں نہ لایئے جو ہمارے معاشرے میں مزید انتشار پیدا کرے اور مسلمان کو مسلمان سے الگ کرے اور مسلمان کو مسلمان سے توڑے' اس کی گنجائش نہیں ہے:

تو برائے وصل کردن آمدی
نے برائے فصل کردن آمدی
انسان یا تو بہت سے دلوں کو ملا سکے
یا کوئی شے مفید خلائق بنا سکے
ہم تو اسی کو سمجھتے ہیں علم کا
پڑھنے کو مستعد ہیں جو کوئی پڑھا سکے

حضرت مجدد الف ثانی ؒ نے مکتوبات میں لکھا ہے کہ اکبر اس لیے دین سے متنفر ہوا کہ اس نے علماء کو مرغوں کی طرح لڑتے دیکھا۔ اگر کوئی مسئلہ چھیڑتا تو ان میں آپس میں اتنی تیز بحث ہوتی اور ہر ایک دوسرے پر اپنا تفوق اس طرح ظاہر کرنے کی کوشش کرتا جیسا کہ پکے دنیا والے جاہ طلب کرتے ہیں۔ اکبر نے سوچا کہ یہ کیسے لوگ ہیں یہ ہمارے وزراء' ارکانِ سلطنت اور خالص دنیادار لوگ بھی اس سطح پر نہیں آتے۔ علماء کے آپس کے نزاعات اور ایک دوسرے کی تذلیل کرنے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے۔

اسلام کو ہر مفاد پر ترجیح دیجیے

اسلام کے مفاد کو ہر جماعت' ہر ادارہ' ہر مدرسہ اور ہر گروہ کے مفاد پر ترجیح دیں۔ اگر ہمیں معلوم ہو کہ سب جماعتوں کو مٹا دینا پڑے گا' سارے ناموں کو ختم کر دینا پڑے گا' سارے بورڈوں کو ہٹا دینا پڑے گا اور اسلام اس ملک میں غالب رہے گا تو ہمیں ایک منٹ بھی اس میں پس و پیش نہیں ہونا چاہیے۔ ہمیں دین و ملت کا مفاد ہر جماعت سے عزیز ہونا چاہیے۔ حضور اکرم ﷺ کا معجزہ یہ تھا کہ صحابہ کرام ؓ کے دل سے یہ شوق نکل گیا کہ ان کا کارنامہ سمجھا جائے۔ بخاری کی روایت ہے کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری ؓ نے ایک مجلس میں واقعہ کے طور پر ذکر کیا کہ ہم لوگ ایک غزوہ میں گئے وہاں ہمارے پاؤں میں چھالے پڑ گئے تھے۔ ہم نے چیتھڑے لپیٹ لیے اسی وجہ سے وہ غزوہ ذات الرقاع کہلاتا ہے۔ یہ کہنے کے بعد ان کو ایک دم احساس ہوا کہ میں نے یہ کیوں کہا کہ میرا یہ عمل باطل نہ ہو گیا ہو' کہیں اللہ کی طرف سے یہ نہ کہہ دیا جائے کہ لوگوں نے سن لیا اور بڑا بھی سمجھا یہ کافی ہے۔ اب ہم سے کیا لینے آئے ہو؟ چنانچہ انہوں نے کہا کاش میں یہ نہ کہتا۔ آج اس میں زیادہ زور ہے کہ یہ کارنامہ کس طرف منسوب ہوگا۔ دیکھئے جب کسی کا عزیز جان بلب ہوتا ہے تو اس کے عزیزوں میں کسی کو یہ خیال نہیں ہوتا کہ تعریف کس کی ہو؟ سب کی یہ تمنا ہوتی ہے کہ ہمارا مریض بچ جائے' حکیم پر سہرے بندھے یا ڈاکٹر کے۔ تو اس وقت عالم اسلام بیمار ہے' آپ کا ملک بیمار ہے۔ آپ اس وقت بھول جایئے کہ کس کے حساب میں لکھا جائے گا اور تاریخ میں لکھنے والے کیا لکھیں گے کہ اس ملک کو سب سے زیادہ نفع فلاں ادارہ فلاں جماعت سے پہنچا اور اس میں سب سے بڑا حصہ ان کا تھا۔ تاتاریوں کے بارے میں آج تک یہ ثابت نہیں ہو سکا کہ ان کو مسلمان کرنے میں سب سے بڑا حصہ کس کا تھا؟ اس لیے کہ ان مخلصین نے جنہوں نے یہ خدمت انجام دی تھی' اپنے کو اتنا چھپایا کہ تاریخ کی باریک بین نگاہ بھی ان کو نہیں دیکھ سکی۔ اس وقت جو لڑائی لڑی جا رہی ہے' اس ملک کو اسلامی آئین دینے کی' اسلامی معاشرت و تمدن میں ڈھالنے کی' اور یہاں سے ان خرابیوں کو دور کرنے کی' جو مغربی تمدن اور ہمارے سیاستدانوں نے داخل کر دی ہیں' اس لڑائی میں فوج کے ادنیٰ سپاہی بن جائیں۔ خالص اللہ کی رضا کے لیے کام کیجیے یہاں تک کہ آپ کا نام اس کے نورانی دفتر میں لکھا جائے گا۔

یہاں ہوا تو کیا اور نہ ہوا تو کیا۔ اس وقت لڑائی کسی مکتب خیال کی نہیں ہے اس وقت لڑائی اسلام اور غیر اسلام کی ہے۔ اس طرح سمجھیے کہ ایک مسجد تعمیر ہو رہی ہے۔ اس میں جو بھی شریک ہو جائے سب اجر میں شریک ہوں گے۔ اس میں کس کا کتنا حصہ ہے اور کس کا نام پہلے ہے اور کس کا بعد میں ہے؟ یہ نہیں ہونا چاہیے کہ اپنے اپنے مسلک پر پورے طور پر قائم رہنا چاہیے جسے حق سمجھتے ہیں اس کو حق سمجھنا چاہیے لیکن سب دعوت اسلامی کا محاذ اور اسلامی زندگی پیدا کرنے کا محاذ بنائیں۔ اس ملک میں اسلامی زندگی پیدا ہو اور وہ آنکھوں سے دیکھی جا سکے اور یہ ملک دوسروں کے لیے نمونہ بنے۔

موجودہ صدی کو کسی معتصم کی تلاش

آپ پورے عالم اسلام کے لیے بلکہ دنیائے انسانیت کے لیے حق و انصاف و عدل و مساوات کے لیے پشت پناہ بنیں اور آپ اس قابل ہوں کہ دنیا کے کسی گوشے میں آپ کے اخلاقی اثر اور آپ کے احترام میں ظلم نہ ہونے پائے جبکہ ایک بڑھیا عورت پر ظلم ہوا تھا۔ اس نے **وامعتصماہ** کی صدا لگائی تھی اور عباسی خلیفہ معتصم اس کی دادرسی کو پہنچ گیا تھا۔ آج بھی کوئی ملک اس قابل ہو کہ کوئی مظلوم **وامعتصماہ** کہہ سکے تو معتصم اس دنیا میں اسی صدی میں پیدا ہونا چاہیے جب ایک امام کعبہ کی ضرورت ہے اور ہم سب ان کا احترام کرتے ہیں جیسا کہ آج ایک بڑے عالم دین کی ضرورت ہے اور ہم ان کا احترام کرتے ہیں۔ ویسے حق پرست' انصاف شعار' عدل گستر' دردمند انسان دوست جماعت کی ضرورت ہے۔

نہ سمجھو گے تو مٹ جاؤ گے ''اے غافل مسلمانو!''
تمہاری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں

❀❀❀

جدت پسندی اور عدم استحکام

محمد رفیق چودھری

آج کل پاکستان سمیت بیشتر اسلامی ممالک پر ماڈرنائزیشن کا خبط سوار ہے۔ یہاں تک کہ سعودی عرب جس کو عالم اسلام کے مرکز کی حیثیت حاصل ہے، وہیں سے اسلام کا وہ سدابہار چشمۂ فیض دنیا میں جاری ہوا جس سے آج کی ماڈرن اور تہذیب یافتہ انسانیت بھی اپنے قلب وروح کی تسکین کا سامان کر رہی ہے اور جس کی حقانیت اور آفاقیت کے سامنے سرتسلیم خم کرتے ہوئے آج کے ماڈرن دور میں بھی لوگ ایمان لا رہے ہیں۔ مگر اسی سرزمین پر آج سعودی حکومت ماڈرنائزیشن کے نام پر اسلام سے انحراف کی پالیسی پر گامزن ہے۔ اسی طرح پاکستان جو اسلام کے نام پر بنا اور جس کے آئین میں باقاعدہ لکھا ہوا ہے کہ اس ریاست کا مذہب اسلام ہوگا اور یہاں قرآن وسنت کے خلاف کوئی قانون نہیں بن سکتا۔ قراردادِ مقاصد کو آئین کا حصہ بھی بنا دیا گیا۔ مگر پاکستان کا منتخب وزیراعظم اسی آئین کے تحت حلف اُٹھانے کے باوجود اعلان کرتا ہے کہ پاکستان کا مستقبل لبرل ازم سے وابستہ ہے۔ وہ نہ صرف نظریۂ پاکستان سے واضح انحراف کرتے ہوئے پاک بھارت سرحد کو محض ایک لکیر قرار دیتا ہے، ہندو اور مسلمان کے مابین تفریق کی نفی کرتا ہے بلکہ ہندوؤں کے مشرکانہ تہواروں میں شریک ہو کر اسلام کا سرعام مذاق بھی اُڑاتا ہے۔ لبرل ایجنڈے پر یہ عمل درآمد صرف سیاست تک ہی محدود نہیں رہتا بلکہ ایک اسلامی ریاست کو لبرل (بے دین) ریاست میں تبدیل کرنے کے لیے آئین میں بھی باقاعدہ ترامیم کی جاتی ہیں۔ جیسے حقوقِ نسواں کے نام پر مادر پدر آزادی اور اقلیتوں کے حقوق کے نام پر قادیانیوں سمیت اسلام دشمن قوتوں کا راستہ ہموار کرنا ہماری اسمبلیوں نے ضروری سمجھ لیا۔ یہاں تک کہ اس لبرل ایجنڈے کی تکمیل کے لیے ہمارے حکمران عقیدہ وایمان کا مقام رکھنے والی ختم نبوت کی بنیادی شقوں کو آئین سے نکالنے کے درپے ہو گئے۔ اسی طرح کم وبیش تمام مسلم ممالک کے حکمران بھی اسی ایجنڈے پر عمل پیرا دکھائی دیتے ہیں اور آئے دن مسلمانوں کو عجیب اور دل دکھا دینے والی خبریں ملتی ہیں جیسے سشما سوراج کا سعودی عرب کے ثقافتی پروگرام میں مہمان خصوصی بننا، عبایہ کو غیر ضروری قرار دیا جانا اور اب وہاں فیشن ویک منانے کا اعلان، متحدہ عرب امارات میں دنیا کے سب سے بڑے مندر کا افتتاح اور اس کی تقریب میں ایک عرب حکمران کا ''جے سری رام'' کے نعرے سے اپنے خطاب کا آغاز کرنا، ایک پاکستانی اپوزیشن لیڈر کا مندر میں جا کر پوجا پاٹ کرنا وغیرہ۔

حالانکہ برما، بھارت، اسرائیل اور خود یورپ اور امریکہ انتہاپسندی کی طرف جا رہے ہیں۔ کون نہیں جانتا کہ دنیا کا سب سے جاہل اور گمراہ ترین معاشرہ بھارت کا ہے جہاں ایک عورت سے دس دس مرد شادیاں کرتے ہیں (بی بی سی کی رپورٹ)، وہاں عورتوں اور اقلیتوں پر جو مظالم ڈھائے جا رہے ہیں ان کی مثال شاید پوری دنیا میں نہ ملے مگر وہاں تو حکمرانوں پر لبرل ازم کی بجائے مذہبی انتہاپسندی کا جنون سوار ہے۔ یہاں تک کہ خود یورپ جو لبرل ازم کا سب سے بڑا علمبردار ہے وہاں اقلیتوں، خاص طور پر مسلمانوں پر آئے دن حملے ہو رہے ہیں، مساجد کو بند کیا جا رہا ہے اور امریکہ جو انسانی حقوق کا سب سے بڑا ٹھیکیدار بن رہا ہے اُس کے موجودہ صدر ڈونلڈ ٹرمپ کو الیکشن میں کامیابی اس بنیاد پر ملی ہے کہ وہ مسلمانوں کو امریکہ سے نکال باہر کرے گا اور دنیا بھر کے مسلمانوں کے لیے امریکہ کے دروازے بند کر دے گا۔ گویا سب اسلام دشمن طاقتیں خود تو بنیاد پرستی اور مذہبی انتہاپسندی کی طرف جا رہی ہیں لیکن مسلم حکمرانوں میں لبرل ازم، روشن خیالی اور ماڈرنائزیشن کی دوڑ لگی ہوئی ہے اور اس کا جواز یہ پیش کیا جاتا ہے کہ یہ سب استحکام کے لیے ضروری ہے۔ آیئے دیکھتے ہیں کہ مسلم ممالک میں ماڈرنائزیشن کے اس عمل کا اصل مقصد استحکام ہے یا کچھ اور؟

تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ اسلامی دنیا میں ماڈرنائزیشن کے اس عمل کا آغاز سلطنت عثمانیہ کے آخری دور میں ہوا جب 1886ء میں سلونیکا میں کمیٹی آف یونین اینڈ پروگریس کے نام سے ایک تحریک وجود میں آئی جسے عرف عام میں جواں ترک تحریک یا Young Turks Movement کہا جانے لگا۔ یہ سلطنت عثمانیہ میں بظاہر ''اصلاح پسند'' تحریکوں کا ایک گروپ تھا جو ترکی میں بادشاہت کی بجائے دستور کی حکمرانی کا خواہاں تھا۔ اس تحریک کا نعرہ بھی وہی تھا جو آج بیشتر مسلم ممالک میں ''جدت پسند'' حکمرانوں اور لبرل طبقات کا نعرہ ہے یعنی ماڈرنائزیشن، روشن خیالی، اعتدال پسندی وغیرہ۔ لہٰذا مذہب کو سیاست سے الگ کرنا، ترکی میں مغربی طرز کی اصلاحات کو متعارف کروانا اور خاص طور پر ترک قومیت کو اُجاگر کرنا اُن کا بھی ایجنڈا اُبھرا۔ چنانچہ آج ہی کی طرح ماڈرنائزیشن کی اس تحریک کو اس قدر عالمی ''حمایت'' حاصل ہوگئی کہ 1908ء میں مقدونیہ میں فوجی بغاوت کے ذریعے ''جواں ترک انقلاب'' آ گیا اور اگلے ہی سال سلطان عبدالحمید دوئم کو معزول کر کے اس کے نوعمر بیٹے کو تخت پر بٹھا دیا گیا۔ یوں سلطنت عثمانیہ کا کنٹرول اب کمیٹی آف یونین اینڈ پروگریس کے ہاتھ میں تھا۔ مگر بجائے اس کے کہ تین براعظموں پر پھیلی ہوئی عظیم سلطنت عثمانیہ ''ماڈرن'' سلطنت بنتی، کچھ ہی سالوں میں ٹکڑے ٹکڑے ہو کر بکھر گئی۔ بالآخر ماڈرنائزیشن کے اس حسین خواب کی تعبیر عالم اسلام پر یورپی اقوام کے غلبے اور اسرائیل کے قیام کی صورت میں سامنے آ گئی۔

ہوا کچھ یوں کہ جیسے جیسے مغرب میں سرمایہ دارانہ نظام اپنی جڑیں مضبوط کر رہا تھا اسی رفتار سے یورپی حکومتوں پر یہودی اثر بھی بڑھ رہا تھا۔ وہ نہ صرف اب یورپی حکومتوں پر اسرائیل کے قیام کے لیے دباؤ ڈال رہے تھے بلکہ پس پردہ اس کے لیے منصوبہ بندی بھی کر چکے تھے۔ یہود کی کثیر تعداد یونان کے شہر تھیسالونیکا (سلونیکا) میں جمع ہو چکی تھی جو ان دنوں سلطنت عثمانیہ کا حصہ تھا۔ وہیں سے ماڈرنائزیشن کی وہ تحریک اُٹھی جسے بعد میں جواں ترک انقلاب کہا گیا۔ 1897ء میں جب جواں ترک تحریک پورے زور وشور کے ساتھ سلطنت عثمانیہ میں جڑیں پکڑ رہی تھی اسی دوران سوئٹزرلینڈ کے شہر باسل میں عالمی صیہونی کانفرنس میں فیصلہ ہوا کہ اگر عثمانی خلیفہ نے فلسطین میں یہودی بستیاں بسانے کی اجازت نہ دی تو سلطنت عثمانیہ کو توڑنے کی کوشش کی جائے گی۔ چنانچہ اسی صیہونی تحریک کا بانی تھیوڈور ہرزل کئی بار (آخری بار 1901ء میں) سلطان عبدالحمید دوئم کے پاس یہ پیشکش لے کر آیا کہ اگر خلیفہ فلسطین میں یہودی آبادکاری کی اجازت دے دے تو نہ صرف ترکی پر جتنا قرض ہے وہ سب ادا کر دیا جائے گا بلکہ مزید امداد بھی دی جائے گی۔ ایک مغربی مصنف کے بقول یروشلم یہود کے حوالے کرنے سے انکار کی قیمت سلطان کو اپنی پوری

سلطنت دے کر ادا کرنا پڑی۔ یہود کا یہ خواب جواں ترک تحریک کے ماڈرنائزیشن کے ایجنڈے کے ذریعے ہی پورا ہوا۔ مائیکل اے رینولڈ اپنی کتاب Shattering Empires میں لکھتا ہے کہ ”سلطنت عثمانیہ کی تحلیل دراصل جوان ترک انقلاب ہی سے شروع ہوئی۔“ اصل میں جواں ترک انقلاب آتے ہی جب ترکی میں روشن خیالی اور اعتدال پسندی کے زعم میں اسلامی اقدار و روایات کے خلاف اقدامات کا آغاز ہوا تو اس سے تین براعظموں میں پھیلے ہوئے ان مسلمانوں کے درمیان دراڑیں پڑنا شروع ہوگئیں جو آپس میں کوئی نسلی، لسانی اور علاقائی رشتہ نہ ہونے کے باوجود محض اسلام کے ناتے جڑے ہوئے تھے۔ جواں ترک انقلاب کے پس پردہ قوتیں ایک طرف جواں ترک تحریک کے ذریعے ترکوں سے ”پان ترک ازم“ یعنی متحدہ ترک قومیت کا نعرہ لگوا رہی تھیں اور دوسری طرف لارنس آف عریبیہ جیسے لوگ عربوں کو ترک قومیت کے خلاف اُبھار رہے تھے۔ اس طرح تین براعظموں پر پھیلی ہوئی عظیم سلطنت عثمانیہ جس میں لیبیا، الجیریا، مصر، حجاز، فلسطین، اردن، لبنان، شام، عراق، یونان، بلغاریہ، جارجیہ، البانیہ، آرمینیا، بوسنیا ہرزیگووینیا جیسے علاقے شامل تھے بالآخر جنگ عظیم اول کے اختتام تک اپنے ان تمام علاقوں پر یورپی تسلط کو تسلیم کرنے پر مجبور ہوگئی اور اس طرح یہود ونصاریٰ کا پرانا خواب پورا ہوگیا۔

آدھی دنیا پر پھیلے ہوئے مسلمانوں کی اصل طاقت اسلام کا وہ سیاسی نظام تھا جس کے دم سے مسلمان منظم تھے اور جب تک منظم تھے تو یہودیوں کو اسرائیل کے قیام کی جرأت نہ ہوسکی۔ چنانچہ اسرائیل کے قیام کے لیے سب سے پہلے خلافت کے اس ادارے کو ختم کیا گیا۔ لیکن اس کے بعد بھی جو مسلم ریاستیں وجود میں آئیں ان کے درمیان اسرائیل کی حیثیت ایک مچھر کی بھی نہیں تھی۔ اگر یہ مسلم ریاستیں چاہتیں تو اسرائیل کو چٹکی میں مسل کر رکھ دیتیں مگر ایسا کیوں نہ ہوا؟ یہی وہ بنیادی سوال ہے جس کا جواب تلاش کرنے کی اگر ہم کوشش کریں تو ہمیں اُمت مسلمہ کے تمام مسائل کی حقیقی وجہ سمجھ میں آسکتی ہے۔ اصل وجہ یہ تھی کہ اُمت مسلمہ کے ٹکڑے کرنے کے بعد اقتدار جن ہاتھوں میں تھمایا گیا تھا وہ سب وہی تھے جنہوں نے خلافت کو توڑنے میں یورپ کی مدد کی تھی۔ یہ تعاون اقتدار کے حصول کی شرط پر تھا لہٰذا جواب میں ان کو جو اقتدار ملا وہ بھی مشروط تھا۔ ان میں سب سے بڑی اور باقاعدہ دستاویزی شرط UNO کے چارٹر کی پابندی تھی۔ اب ظاہر ہے اگر آپ UNO کے Rules & Regulations کا نچوڑ نکالنا چاہیں تو جو بات ایک نکتے میں سامنے آئے گی وہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ اسلام کے سیاسی نظام کی ہر سطح پر ہر صورت میں حوصلہ شکنی اور بیخ کنی کی جائے۔ چاہے یہ کام اقلیتوں کے حقوق کے عنوان سے ہو یا خواتین کی آزادی و حقوق کے عنوان سے۔ کیونکہ اس ایجنڈے پر چل کر آپ کسی قادیانی، ہندو، سکھ، عیسائی کو کلیدی حیثیت اختیار کرنے سے نہیں روک سکیں گے۔ اور بالآخر آئین اور ریاست کو سیکولر یا لبرل بنانا پڑے گا۔ اسی طرح اگر آپ خواتین کو وہ حقوق اور آزادی دیں گے جو UNO چاہتا ہے تو آپ کا معاشرہ اسلامی نہیں رہ پائے گا۔ گویا اگر آپ اقوام متحدہ کے چارٹر پر عمل کریں گے تو ہر صورت میں آپ کو سیاسی اسلام سے دستبردار ہونا پڑے گا۔ لہٰذا حکمران چاہے سعودی عرب کے ہوں، پاکستان کے یا کسی بھی اسلامی مملکت کے، وہ اپنے اقتدار کے لیے عالمی ایجنڈے پر عمل درآمد کرنے پر مجبور ہیں۔ چاہیں تو بظاہر اس مجبوری کو ماڈرنائزیشن کا نام دے لیں یا روشن خیالی و اعتدال پسندی کہہ لیں۔ عوام کے سامنے جواز یہ پیش کرتے ہیں کہ ملکی استحکام کے لیے یہ سب ضروری ہے۔ جبکہ دوسری طرف عام مسلمانوں کے نزدیک ان کی طاقت وسربلندی کا سرچشمہ اور تمام مسائل کا حل اسلام کا وہی سیاسی نظام ہے، جسے اُن سے چھین لیا گیا ہے۔ لہٰذا کسی بھی اسلامی ملک میں اگر سروے کرایا جائے تو 85 فیصد سے زائد مسلمان خلافت کے حق میں رائے دیں گے۔ انہی میں بعض وہ بھی ہیں جو بزورِ قوت نظامِ اسلام کو دوبارہ غالب کرنا چاہتے ہیں۔ گویا مسلم حکمرانوں اور عوام کے درمیان باقاعدہ ایک conflict کی یہ صورتحال جو جواں ترک انقلاب سے پیدا ہوئی تھی وہ بدستور اب تک موجود ہے۔ فرق اگر کوئی واقع ہوا ہے تو وہ صرف اتنا ہے کہ کمیٹی آف یونین اینڈ پروگریس کی جگہ اب یونائیٹڈ نیشنز نے لے لی ہے۔ یعنی ماڈرنائزیشن کا وہ ایجنڈا جو اسرائیل کے قیام کے لیے سلطنت عثمانیہ پر جواں ترک تحریک کے ذریعے نافذ کیا گیا تھا اب اسرائیل کے استحکام کے لیے وہی ایجنڈا UNO کے ذریعے تمام مسلم ممالک پر نافذ ہو رہا ہے۔ ایک طرف عالمی طاقتیں UNO، FATF، اور دیگر عالمی اداروں، این جی اوز اور لابنگ فرمز کے ذریعے مسلم حکمرانوں پر دباؤ ڈال کر ماڈرنائزیشن کے خوشنما جال میں پھنسا رہی ہیں اور دوسری طرف داعش جیسے نیٹ ورکس کو پوری سپورٹ اور اسلحہ فراہم کر کے انہیں مسلم حکومتوں کے خلاف کھڑا کر رہی ہیں۔ درمیان میں ریمنڈ ڈیوس جیسے لوگ لارنس آف عریبیہ کا کردار ادا کرنے کے لیے بھی موجود ہیں۔ جوں ہی کوئی مسلم حکومت این جی اوز یا عالمی اداروں کے دباؤ میں آ کر یا کوئی مسلم حکمران اپنا اقتدار بچانے کے لیے کسی لابنگ فرم کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے کوئی ایسا Step اُٹھاتا ہے جو دین و مذہب یا قومی اقتدار کے خلاف ہو تو دوسری طرف وہی عالمی طاقتیں اپنے خاص مہروں کے ذریعے عوام، بالخصوص مذہبی طبقے کے ذہنوں میں یہ چیز بٹھا رہی ہوتی ہیں کہ حکمران تو ملک، قوم اور دین کے ساتھ غداری کر رہے ہیں۔ چنانچہ پورے عالم اسلام میں اس وقت انتشار کا سب سے بڑا سبب بھی ماڈرنائزیشن کا عمل ہے۔ جیسے جیسے ہمارے حکمران ماڈرنائزیشن کے ایجنڈے پر آگے بڑھ رہے ہیں اتنا ہی انتشار پھیلتا جا رہا ہے اور مسلم ممالک عدم استحکام کا شکار ہوتے چلے جا رہے ہیں جبکہ یہی وہ وقت ہے جب اسرائیل اپنے پورے آب و تاب کے ساتھ قبلہ اول اور مسجد اقصیٰ کی سرزمین پر اپنا دارالخلافہ بنانے کے ساتھ ساتھ ایک سپر پاور بننے کی تیاریوں میں ہے۔

ان حالات میں مسلم ممالک کے پاس صرف ایک ہی راستہ ہے کہ وہ عالمی قوتوں کی ڈکٹیشن پر چلنے کی بجائے اُس صراطِ مستقیم پر چلیں جو انہیں اُن کے دین نے دکھایا ہے اور عوام کی تربیت بھی اس طرح کریں۔ اس صورت میں اُن میں بیرونی دباؤ کو مسترد کرنے کی ہمت پیدا ہوگی۔ اس ضمن میں ترکی کی مثال ہمارے سامنے ہے جہاں خود عوام نے بیرونی قوتوں کی ایک ایسی گھناؤنی کوشش کو ناکام بنا دیا جو فوجی بغاوت کے ذریعے ترکی میں بھی عدم استحکام پیدا کرنے کے لیے کی گئی تھی۔ ایسا صرف اس وجہ سے ہی ممکن ہوسکا کہ ترکی کے حکمرانوں نے ماڈرنائزیشن کے 100 سال قبل کیے گئے تلخ تجربہ سے سبق حاصل کرتے ہوئے اس سے مخالف پالیسی کو اپنایا۔ یعنی عوام کی اسلام سے محبت اور اس کے نفاذ کے حوالے سے عوامی اُمنگوں کا احترام کرنا سیکھ لیا۔ لہٰذا عوام نے بھی ٹینکوں تلے لیٹ کر اپنی حکومت کو بچایا اور اپنے ملک کو بھی عدم استحکام کی ایک بڑی کوشش سے بچا لیا۔ لیکن انتہائی بدقسمتی کی بات یہ ہے کہ پاکستان اور سعودی عرب سمیت بیشتر اسلامی ممالک نے ماڈرنائزیشن کے اس تلخ ترین تجربہ سے کوئی سبق حاصل نہیں کیا جس نے 100 سال قبل پوری اُمت مسلمہ کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیا۔ یہاں تک کہ وہی اُمت جس کی حیثیت دنیا میں سپر پاور کی تھی، ماڈرنائزیشن کے اس

تلخ تجربہ کے بعد عالم کفر اور اسلام دشمن طاقتوں کی غلام بن کر رہ گئی ۔ خاص طور پر نائن الیون کے بعد جب اسلامی دنیا پر ماڈرنائزیشن کا ایجنڈا نافذ کرنے کے عمل میں تیزی آ گئی تو پاکستان میں پرویز مشرف نے نہ صرف مصطفیٰ کمال پاشا (جو جواں ترک تحریک کا سرگرم رکن اور پان ترک ازم کا زبردست حامی تھا) کو اپنا آئیڈیل قرار دیا بلکہ پان ترک ازم کی طرح ہی اس نے ''سب سے پہلے پاکستان'' کا نعرہ بھی دیا اور اس کے ساتھ ہی ساتھ جواں ترک تحریک کے ایجنڈے روشن خیالی ، اعتدال پسندی (یعنی ماڈرنائزیشن) کو اپنا ایجنڈا بنایا۔ اس سے قبل دنیا بھر کے مسلمان پاکستان کو اسلام کا قلعہ سمجھ رہے تھے لیکن جب مشرف نے سب سے پہلے پاکستان کا نعرہ لگایا اور اس کے ساتھ ''روشن خیالی'' کا ایجنڈا اپنایا تو خطہ کے مسلمانوں کے دلوں میں پاکستان کی وہ حیثیت نہ رہی ۔ جبکہ اسی دوران یہاں ریمنڈ ڈیوس جیسے لوگ لارنس آف عریبیہ کا کردار ادا کرنے کے لیے بھی موجود تھے جنہوں نے حکومت اور عوام کے درمیان بڑھتی ہوئی خلیج اور علاقائی ، لسانی اور نسلی تعصبات کو انتشار میں بدلنے کی بھرپور کوشش کی ۔ جس کے نتیجے میں ایک عرصہ تک پاکستان کا امن بیرونی قوتوں کے ہاتھوں یرغمال بنا رہا اور پاکستان عدم استحکام کے راستے پر چل پڑا۔ ہم نے اس تلخ تجربہ سے بھی کوئی سبق نہیں سیکھا بلکہ بعد میں آنے والی جمہوری حکومتوں نے پرویز مشرف سے بھی دو قدم آگے بڑھ کر ماڈرنائزیشن کے ایجنڈے پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کی۔ ظاہر ہے جب اس ایجنڈے پر چلیں گے تو اقلیتوں کے حقوق کے نام پر قادیانیوں سمیت تمام اقلیتوں کو تمام اداروں میں نمائندگی دینا پڑے گی اور اس کے لیے آئین اور ریاست کو سیکولر بنانا پڑے گا۔ اسی لیے ختم نبوت کی شقوں کو نکالنے کی بھی کوشش کی گئی اور اس کے نتیجے میں ایک بار پھر امن واستحکام داؤ پر لگ گیا۔ لہٰذا اگر ہم چاہتے ہیں کہ پاکستان میں استحکام آئے تو ہمیں پاکستان کی عمارت ان بنیادوں پر کھڑی کرنا ہوگی جن بنیادوں پر پاکستان معرض وجود میں آیا تھا کیونکہ اگر کوئی بھی عمارت اس کی بنیادوں سے ہٹ کر کھڑی کی جائے تو وہ زیادہ دیر اپنا وجود برقرار نہیں رکھ سکتی ۔ پاکستان کے لیے قوم نے جس نعرے پر قربانیاں دی تھیں وہ تھا: لا الٰہ الا اللہ ۔ یہی پاکستان کی اصل بنیاد ہے اور پاکستان میں استحکام بھی اُسی صورت میں آ سکتا ہے اگر ہم پاکستان میں لا الٰہ الا اللہ کو محمد رسول اللہؐ کے ساتھ جوڑ کر عملی طور پر نافذ کریں گے۔

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا، لوح و قلم تیرے ہیں

اسلام اور پاکستان اگر موضوع ہو تو خواہش ہوگی کہ صرف کلام اقبال سے اِس کو مکمل کر دیں ندائے خلافت کی اشاعتِ خصوصی میں قارئین کی خدمت میں علامہ کے چند اشعار پیش کرتے ہیں تشنگی تو محسوس ہوگی بہرحال مجبوری ہے۔

قوم مذہب سے ہے، مذہب جو نہیں، تم بھی نہیں
جذبِ باہم جو نہیں ، محفلِ انجم بھی نہیں

جن کو آتا نہیں دُنیا میں کوئی فن ، تُم ہو
نہیں جس قوم کو پروائے نشیمن ، تُم ہو

بجلیاں جس میں ہوں آسُودہ وہ خرمن ، تُم ہو
بیچ کھاتے ہیں جو اسلاف کے مدفن، تُم ہو

صفحۂ دہر سے باطل کو مٹایا کس نے ؟
نوعِ انساں کو غلامی سے چُھڑایا کس نے ؟

میرے کعبے کو جبینوں سے بسایا کس نے ؟
میرے قرآن کو سینوں سے لگایا کس نے ؟

تھے تو آباء وہ تمہارے ہی ، مگر تم کیا ہو ؟
ہاتھ پر ہاتھ دھرے منتظرِ فردا ہو!

واعظ قوم کی وہ پختہ خیالی نہ رہی
برق طبعی نہ رہی، شعلہ مقالی نہ رہی

رہ گئی رسم اذاں روح بلالی نہ رہی
فلسفہ رہ گیا، تلقین غزالی نہ رہی

مسجدیں مرثیہ خواں ہیں کہ نمازی نہ رہے
یعنی وہ صاحب اوصاف حجازی نہ رہے

شور ہے، ہو گئے دنیا سے مسلماں نابود
ہم یہ کہتے ہیں کہ تھے بھی کہیں مسلم موجود!

وضع میں تم ہو نصاریٰ ، تو تمدن میں ہنود
یہ مسلماں ہیں! جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود!

یوں تو سید بھی ہو، مرزا بھی ہو، افغان بھی ہو
تم سبھی کچھ ہو، بتاؤ تو مسلمان بھی ہو

قوت عشق سے ہر پست کو بالا کر دے
دہر میں اسم محمدؐ سے اجالا کر دے

عقل ہے تیری سپَر عشق ہے شمشیر تری
مرے درویش! خلافت ہے جہانگیر تری

بازو ترا توحید کی قوت سے قوی ہے
اسلام ترا دیس ہے، تو مصطفوی ہے

Allama Iqbal *(RAA)*, the Ideologue of Pakistan, had declared the establishment of an Islamic Welfare in the north-west of the Indian subcontinent to be a final destiny. While enunciating the necessity raison d'être for the creation of that state he had said, "...so that the stains placed on the real face of during the era of Islamic Imperialism could be washed away by creating a genuine Islamic Welfare S which could give authentic Islam a practical manifestation...". Moreover, the Founder of the Na Quaid-e-Azam Muhammad Ali Jinnah *(RAA)*, while answering a question had said that the constituti Pakistan had been laid down (revealed) thirteen hundred (1300) years ago in the contents of the Qur'a

Furthermore it is a well-established historical fact that Quaid-e-Azam never used the term "Secula during his entire life. Hence, the top leadership of Muslims considered the creation of Pakistan fo purpose alone, viz. the attainment of a 'piece of land' for the Muslims of the Indian subcontinent in to get the opportunity to not only practice the Islamic way of life in their personal capacity freely, bu to present a working model of the Islamic System of Social Justice in the form of a genuine Islamic We State, based on the pristine principles derived from the Qur'an and Sunnah. It is for that reason that was considered synonymous to the Ideology of Pakistan and the state of Pakistan was considered w of being called an Ideological state. Unfortunately, the nation as a whole betrayed that ideology which at the core of the creation of Pakistan and consequently Pakistan is today like an anchorless ship saili the whim of the waves, with no determined direction and no progress towards the destination. There let alone *Istehkam e Pakistan*, even the security and existence of the country are facing grave threats.

The question logically arises as to what is the responsibility of a Pakistani Muslim under t circumstances? In our opinion, no Platonic philosophy is required to answer that question. The si answer is that we ought to revert to the same Ideology that had been abandoned in the first place slogan and promise *"La Illaha Ill Allah"* (There is no deity but Allah *SWT*) had played a vital role in m the Pakistan Movement successful; now *"Muhammad Rasul Allah"* (Muhammad *SAAW* is the Messeng Allah *SWT*) needs to be appended to it in order to practically fulfill the promise.

Doing so will not only ensure the security and continued existence of our country, but will also put u the path of *Istehkam e Pakistan*. If the government is unwilling to execute this obligation, then e citizen of Pakistan ought to start this job, become active at every possible level and become motivate the cause; similar to the fervor and zeal seen during the days of the Pakistan Movement, seventy years ago. It must be remembered that deeds, not slogans, would give results. Every Pakistani M ought to implement "Islam" on his own person as much as possible as the initial step, then move o making efforts to convince his family and friends towards this objective and lastly be willing to comm his energies for making the effort of implementing Islam at the state level and be willing to sac whatever is necessary for this purpose. The people of Pakistan are very fortunate in this regard becau efforts made in making our country a genuine Islamic Welfare State would not only lead to *Istehk Pakistan*, but also lead to great rewards and success in the Hereafter. *Insha Allah!*

Ameer	Tanzeem-e-Islami	Founder
Hafiz Aakif Saeed	www.tanzeem.org	Dr. Israr Ahmad *(RAA)*

Vol: 27 Regd. No. C.P.L.NO. 114 No: 10

Weekly **Nida-e-Khilafat** Lahore